رجسٹرڈ آصفیہ (نمبر ۱۷۸)

شرح چندہ
سالانہ ۵
ششماہی ۳
سہ ماہی ۲

قیمت فی پرچہ (۲ر)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ایل ایل بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ انگلش پہ نمبر

شرح چندہ
سالانہ ۵
ششماہی ۳
سہ ماہی ۲

قیمت پرانا پرچہ (۴ر)

جلد (۲) | ۲۹ امرداد ۱۳۵۱ف | ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ | ۴ جولائی ۱۹۴۲ء شنبہ | نمبر (۱۲)

گاندھی جی کی نئی تحریک بے محل ہے

نعرے لگانے سے آزادی نہیں ملتی

از

مسٹر کے ' یف ' نریمان

ہندوستان کے نوجوان پنڈت جواہر لال نہرو سے مایوس ہوتے جا رہے تھے۔ انہیں یہ شکایت تھی کہ پنڈت جی کے حالیہ بیانات اور اعلانات سے قوم پرستی کی تائید کے رجحانات ظاہر ہوتے ہیں اور "چلے جاؤ" کا مخالف قوم پرست ہندوستانی نہیں دیتا اور وہ گوریلا جنگ کا اعلان سن کر حیران ہو گئے۔

پس ہندوستان کے جوشیلے نوجوانوں کے ذہن سے یہ غلط خیال اور اندیشے دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ انتہا پسند اور جوشیلے جواہر لال کی ذہنیت کو پھر ایک بار نمایاں کیا جائے اور عوام کو یقین دلایا جائے کہ کانگریس کا یہ "طوفانی پرندہ" انتہا پسند ہندوستانی لیڈر ہونے کی قدیم شہرت کا اب بھی حامل ہے۔ ان کی سیاسیات کم از کم کاغذ پر گاندھی جی کی فلسفیانہ ذہنیت اور پارلیمانی دستوریت سے بھی اعلیٰ ہے۔ یہی وہ جوشیلا بیان انہوں نے دیا ہے جس سے ہندوستان کے سیاست پسند نوجوان کو پھر ایک بار اطمینان نصیب ہو گیا اور انہوں نے انتہا پسند ہونے کی سیاسی شہرت پھر ایک بار قائم کر لی۔

سنہ ۱۹۳۹ء میں کیا ہوا تھا۔

آج کل پنڈت جی ایسی سیاسی قلابازیاں لگا رہے ہیں کہ اس وقت ان کو یہ یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ چند سال قبل تریپوری کانگریس میں ان کی کیا روش تھی جبکہ صدر کانگریس مسٹر سوباش چندر بوس ایسی قسم کی ایک مہم جو "ہندوستان سے چلے جاؤ" کے نعرہ جیسی ہی تھی شروع کرنا چاہتے تھے اور اسی مقصد سے انہوں نے کانگریس کی میٹنگ میں یہ قرارداد پیش کی تھی کہ برطانیہ کو چھ مہینے کا الٹی میٹم دیا جائے اور اگر برطانیہ اس کو قبول نہ کرے تو ایک جنگ شروع کر دی جائے۔ مگر یہی انتہا پسند لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو نے اس قرارداد کی نہ صرف شدت سے مخالفت کی بلکہ اس خیال کا مضحکہ اڑایا اور کہا کہ یہ عوام کو خوش کرنے اور سستی شہرت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ گو چھ مہینے کا الٹی میٹم اتنا انقلاب انگیز مطالبہ نہیں ہے جتنا کہ بستر باندھ کر چلے جانے کا مطالبہ۔ لیکن اس نرم مطالبہ کی بھی مخالفت کی گئی تھی اور پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے رفقائے کار نے اس کو ایک بے معنی سیاسی بازی گری اور تماشا قرار دیا تھا جس پر کانگریس جیسا ذمہ دار سیاسی ادارہ غور و خوض نہیں کر سکتا تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ اس قرارداد کے محرک پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس کا مقصد سستی شہرت حاصل کرنا، عوام کے قلوب کو مسخر کرنا اور اپنے سیاسی حریفوں کو شکست دینا ہے۔ سنہ ۱۹۳۹ء کے ختم پر تریپوری کانگریس کی میٹنگ کے وقت قوم آج سے زیادہ تیار تھی۔ فرقہ واری کشیدگی اس قدر نہیں ہوئی تھی جیسا کہ آج کل پیدا ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ خود کانگریس میں زیادہ اتحاد تھا، عوام پر اس کی گرفت بھی مضبوط تھی اور آج سے زیادہ اس کو احترام، وقار، حیثیت اور اقتدار حاصل تھا۔ ابھی جنگ چھڑی ہی تھی اور برطانیہ دور دراز تھا۔ علی حملے کا کوئی فوری خطرہ بھی نہ تھا۔ وقت بہت موزوں تھا اور کوئی بیرونی حملے کا اندیشہ نہ تھا۔ اس وقت اس قرارداد کو مخالفت کے لئے بھی ناانصافی نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ اس میں مخالف کو پریشان دیکھ کر پیچھے سے خنجر بھونکنا یا موجودہ پریشانی سے فائدہ اٹھانا نہیں تھا۔ ہمیں حیرت ہے کہ گاندھی جی کے بلند پایہ اخلاق کو کیا ہو گیا ہے جس سے دشمن کو اس کی مشکلات کے وقت پریشان نہ کرنے کی تلقین کی جا رہی تھی۔

جاپان کا مقابلہ کرو

اگر سنہ ۱۹۳۹ء میں برطانیہ کو چھ مہینے کا الٹی میٹم دینا جواہر لال اور ان کے رفقاء کے نزدیک محض سیاسی بازی گری، سستی شہرت کی خواہش اور آگ سے کھیلنے کے برابر تھا تو کیا ہم یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ آج ان ناموافق اور پرخطر حالات میں "فوراً چلے جاؤ" کا نعرہ کس حد تک حق بجانب ہو سکتا ہے؟ گاندھی جی پر تنقید کرنے والے عوام سے قطع نظر خود کانگریس میں ایسے ذی فہم اور بااقتدار موجود ہیں جو محاذ کی فوری تبدیلی کو قدرتی طور پر شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس نئی تحریک کے بانیوں پر وہی الزام لگانے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں جو انہوں نے سبھاش چندر بوس پر سنہ ۱۹۳۹ء میں تریپوری کانگریس کے وقت لگایا تھا۔

ہم جواہر لال سے اس خیال میں بالکل متفق ہیں کہ محض نعرے لگانا ہی اپنی منزل مقصود سے ایک انچ بھی قریب نہیں لے جاتا۔ جس طرح انتہا پسندوں کا محض عوام کی جنگ کا نعرہ اس جنگ کو عوام کی جنگ نہیں بنا دیتا اسی طرح "چلے جاؤ" کا نعرہ یہ قوت نہیں پیدا کرے گا کہ برطانیہ فوراً ہندوستان سے تخلیہ کر دے۔

پنڈت نہرو نے ہندوستان کے نوجوانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ چین کے نوجوانوں کی تقلید کریں جنہوں نے جاپان کا پانچ سال تک دلیری سے مقابلہ کیا ہے۔ ہم سب اس اپیل کی تائید کرتے ہیں مگر کیا ہم یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ کیا اصل جنگ کو کسی نے چین کے نوجوانوں سے اپیل کی تھی کہ وہ حملہ آور کا مقابلہ صرف عدم تشدد اور عدم تعاون سے کریں جیسا کہ پنڈت نہرو اور ان کے گرو مہاتما گاندھی آج ہندوستان کے نوجوانوں سے

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

مملکت ہفتہ وار

جلد (۲۱) ۲۹ امرداد ۱۳۱۵ف روز شنبہ نمبر (۱۲)

فنی محکمے اور اردو

سرکاری دفاتر میں اردو کو رواج دینے اور انگریزی کے غیر ضروری استعمال کو ترک کرنے کی نسبت زمانہ سابق میں متعدد گشتیاں نافذ ہوئی تھیں، لیکن ان احکام کی حقہ پابندی نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے اسباب و علل پر اس وقت بحث کرنا ہم چنداں ضروری نہیں سمجھتے۔ یہ امر باعث طمانیت ہے کہ حکومت سرکار عالی نے کمیٹی متعینہ کی پیش کردہ تجاویز کے مطابق ایک جدید گشتی نافذ کی ہے جو جملہ محکمہ جات کو روانہ کر دی گئی ہے تاکہ اس پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے۔ اس گشتی کے ذریعہ وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کی جا رہی ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ جدید صدارت عظمیٰ کے عہد کا ایک قابل یادگار کارنامہ ہے تو ہم اہل ملک کے صحیح جذبات کی ترجمانی کریں گے۔ ہمیں توقع ہے کہ عہدہ داران سرکاری اس گشتی کی منشاء پر سختی سے عمل کریں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم سمجھتے ہیں کہ اس گشتی کے بعض جزو قابل بحث اور غور طلب ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن دفاتر کو انگریزی استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اردو کے استعمال سے مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ کس حد تک مناسب اور ضروری ہے۔ نمبر (۱) میں ایک استثناء ہے کہ:-

"جب کہ دفاتر سرکاری کی انگریزی یا بیرونی اداروں سے مراسلت جہاں اس صورتوں میں بھی عمل میں کیفیت ذیل ہے تحریر اردو میں ہوگی اور صرف مراسلت انگریزی میں ہوگی۔"

اس استثناء پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انگریزی یا بیرونی اداروں سے انگریزی میں مراسلت ایک ناگزیر امر ہے مگر دوسرا استثناء جو حسب ذیل ہے ہماری رائے میں غیر ضروری ہے۔

"(۱) سررشتہ تعمیرات میں تمام دفتری کام اردو میں انجام دیا جانا چاہئے۔ فنی کام انگریزی میں انجام دیا جا سکتا ہے۔

(۲) دیگر فنی محکمہ جات شفاخانہ جات، زراعت، علاج حیوانات، دارالضرب، سررشتہ برقی، صنعت و حرفت، معدنیات و پیمائش، طبقات الارض وغیرہ میں سررشتہ تعمیرات کے مماثل عمل ہونا چاہئے۔"

دو عملی ہمارا خیال ہے کہ اس گشتی کو مرتب کرتے وقت حکومت سرکار عالی کی توجہ اس امر کی جانب منعطف نہیں کرائی گئی کہ ان تمام فنون کی اصطلاحیں جامعہ عثمانیہ میں وضع ہو چکی ہیں۔ اگر ان فنون کی اصطلاحیں اردو میں موجود ہیں تو سرکاری دفاتر میں فنی کام انگریزی میں انجام دینا ضروری نہیں۔ ہم نے اپنی ایک گزشتہ اشاعت میں بتلایا ہے کہ جامعہ عثمانیہ میں علوم و فنون کی (۵۵۰۰۰) ہزار اصطلاحیں وضع کی گئی ہیں۔ ریاضیات، طبیعیات، کیمیا، نباتات، حیوانیات، طب، انجینئری اور فنون جدیدہ کے مختلف ذیلی شعبوں پر متعدد کتابیں اردو میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ جن فنی سررشتوں کا اقتباس بالا میں ذکر کیا گیا ہے ان کا انہی فنون سے سابقہ پڑتا ہے۔ اگر ان فنون کی اصطلاحوں کو یکجا کر کے شائع کر دیا جائے تو فنی سررشتوں میں کام کرنے والوں کو اردو میں کام کرنا دشوار نہ ہوگا۔ ضرورت اس کی ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی جانب سے یہ (۵۵۰۰۰) ہزار اصطلاحیں بہ ہیئت مجموعی شائع کر دی جائیں تاکہ سررشتہ جات میں کام کرنے والوں کے علاوہ عام پبلک بھی ان اصطلاحات سے استفادہ کر سکے۔ دوسری صورت یہ ممکن ہے کہ فنی سررشتے جامعہ عثمانیہ سے ان اصطلاحات کو حاصل کر کے اپنا کام اردو میں شروع کر دیں۔ اگر اتفاقاً چند انگریزی اصطلاحیں ایسی ہوں جن کی مترادف اردو اصطلاحیں موجود نہ ہوں تو مجلس وضع اصطلاحات جامعہ عثمانیہ سے اردو اصطلاحیں وضع کرائی جا سکتی ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کی موجودگی میں فنی سررشتوں کا کام انگریزی میں چلانا جامعہ کے نصب العین کو ٹھیس لگاتا ہے۔ امریکہ، یورپ میں ہر ملک اپنے فنی سررشتہ کا کام اپنی ہی زبان میں انجام دیتا ہے، صرف بیرونی ممالک سے مراسلت کے وقت کوئی غیر زبان استعمال کی جاتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ حیدرآباد میں بھی ایسا نہ کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے فنی سررشتوں میں کام کرنے والوں کو ابتداء میں اردو کی اصطلاحیں نہایت غیر مانوس سی معلوم ہوں گی لیکن کثرت استعمال سے اصطلاحات کی اجنبیت معدوم ہو جائے گی۔ ہمیں توقع ہے کہ ہمارے صدر اعظم جو ہمارے امیر جامعہ بھی ہیں اس مسئلہ پر اپنی خصوصی توجہ مبذول فرمائیں گے اور فنی سررشتوں کی اس دو عملی کو رفع کر دیں گے۔

اب کیا ہوگا؟

گزشتہ ہفتہ گاندھی جی نے جو مضامین ہریجن میں تحریر کئے تھے ان کا غور سے مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو سے تبادلہ خیالات کے بعد گاندھی جی نے اپنے مطالبہ میں کچھ تبدیلی کی ہے۔ گاندھی جی نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ برطانیہ فوراً ہندوستان سے چلا جائے۔ چلے جانے کی اب یہ تعبیر کی جا رہی ہے کہ برطانیہ اپنا اقتدار اعلیٰ منتقل کر دے۔ پنڈت نہرو نے بمبئی میں ایک پریس کانفرنس طلب کی تھی جس میں انہوں نے یہ وضاحت کی کہ گاندھی جی کا منشاء نہیں ہے کہ اقوام متحدہ ہندوستان کی مدافعت کے لئے جو تیاریاں کر رہے ہیں ان میں مزاحمت کی جائے یا دول محور کے خلاف مساعی جنگ میں رکاوٹ پیدا کی جائے۔ گاندھی جی صرف اقتدار کی منتقلی چاہتے ہیں۔ برطانوی فوجوں کو اس وقت ہندوستان سے ہٹانا مقصود نہیں ہے۔ گاندھی جی کا یہ نیا مطالبہ دیگر الفاظ میں اب سیاست کے نزدیک پیچیدہ بن گیا ہے مگر پنڈت نہرو اس سے بالکل مطمئن نظر آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ گاندھی جی اور پنڈت جی کے مابین کوئی سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ اس سمجھوتہ کے باوجود پنڈت نہرو عدم تشدد کے ساتھ ساتھ تشدد کی طرف بھی مائل ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے۔

"ہندوستان کی ہرگز یہ خواہش نہیں کہ جاپان کامیاب ہو اور ایشیا پر مسلط ہو جائے اور نہ یہ کہ جرمنی جنگ جیت جائے۔ ہم جاپانی حملہ کا مقابلہ نہ صرف عدم تشدد سے بلکہ تلوار سے بھی کریں گے۔"

شاندار نعرے پنڈت نہرو کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مشرق کے ایک اخبار نے لکھا ہے کہ:-

"ہم پنڈت جواہر لال نہرو سے اس قول میں بالکل متفق ہیں کہ محض نعرے لگانا ہمیں جن کا مقصد ایک رتی بھر بھی ترتیب نہیں دیتا ...... ایسے جاندار نعرے ہرگز بھی کوئی ترتیب نہیں پیدا کر سکتے کہ برطانیہ کو ہندوستان سے نکال دے۔

پنڈت نہرو نے ہندوستان کے نوجوانوں سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ چین کے نوجوانوں کی تقلید کریں جنہوں نے جاپانی حملے کا پانچ سال تک بہادری سے مقابلہ کیا ہے۔ ہم سب اس اپیل کی تائید کرتے ہیں۔ مگر کیا ہم یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ [illegible] کاش گاندھی جی بھی ہندوستان کے نوجوانوں سے یہ اپیل کرتے کہ جارحانہ حملہ کا مقابلہ صرف عدم تشدد اور سول نافرمانی سے کریں جیسا کہ پنڈت نہرو اور ان کے گرو مہاتما گاندھی آج ہندوستان کے نوجوانوں سے اپیل کر رہے ہیں۔ یہ ایسی گمراہ کن اپیل ہے جو [illegible] ضرر رساں ہوگی۔

پنڈت جی یہ بات شاید یاد رکھیں کہ جاپان کی فوقیت برطانیہ کی فوقیت کی طرح بری بلکہ اس سے بدتر ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو جاپان کا تسلط اگر ہندوستان پر ہو گیا تو آزادی کا خواب ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔ لہذا ہندوستان کی آزادی کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ پہلے قدم کے طور پر جاپان کی مزاحمت کی جائے اور خود ان کے جارحانہ بیان کے مطابق تلوار سے مقابلہ کیا جائے ورنہ دو تسلطوں کے درمیان خطرہ لاحق ہے۔ انہیں تلوار چلانے کا موقع ملنا تو کجا وہ شاندار نعرے بھی لگا نہ سکیں گے۔ یہ دور کی بات ہے۔"

پنڈت جی اور گاندھی جی دونوں اس دو عملی سے باہر ہیں۔ گاندھی جی کی تحریک کے متعلق [illegible] اس وقت وہ صرف اس شے کو رفع کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں [illegible]

نئی تحریک جاپان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دیتی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "میں نہیں چاہتا کہ برطانیہ چلے جائے۔ مگر اس شرط پر کہ ہندوستان آزاد ہو۔ ایسی صورت میں برطانیہ کے چلے جانے پر اصرار نہیں کروں گا کیوں کہ میں اپنی پوری قوت سے اس اقدام کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں جاپان کو مدعو کر رہا ہوں۔"

اقتدار پہلے

گاندھی جی کے اس جدید نعرہ پر ہندوستان کے سیاسی حلقوں میں جو پیشگوئیاں ہو رہی ہیں اور بعض حلقوں میں پیش کیا جا رہا ہے کہ گاندھی جی یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں برطانوی فوجیں تو بدستور رہیں لیکن سیاسی اقتدار کانگریس کے ہاتھوں میں منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ مسٹر جناح نے اس نئی تحریک پر اظہار افسوس کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا ہے کہ وہ گاندھی جی کی دھمکی سے متاثر ہو کر کانگریس کے ہاتھوں میں اقتدار منتقل نہ کرے۔ اگر ایسا ہوگا تو وہ مسلم مفاد کے منافی ہوگا۔ مسٹر جناح کہتے ہیں کہ "چلے جاؤ" کے مطالبہ کا منشا جارحانہ تحریکوں کے ذریعہ کانگریسی ہندو راج قائم کرنا ہے۔

گاندھی جی کی موجودہ حکمت عملی اور ان کا اس بات پر اصرار کہ برطانوی اقتدار کے ہٹ جانے کے بعد ہندو مسلم اتحاد خود بخود پیدا ہو جائیگا صورت حال کو اور نازک بنا رہا ہے۔ ابھی چند دن تک یہ نعرہ لگایا جاتا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ کانگریس کے تعمیری پروگرام میں ہندو مسلم اتحاد کو ایک جزو اعظم کی حیثیت دی گئی تھی لیکن اب یہ کہنا کہ آزادی کے بعد ہندو مسلم اتحاد ممکن ہے، غیر کانگریسی حلقوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا باعث ہو رہا ہے۔ اور ہندوستان کے عوام ایک بے بسی کی حالت میں اس انتشار کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ تازہ اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر راجگوپال اچاری وردھا میں گاندھی جی سے ملنے کے بعد بمبئی میں مسٹر جناح سے دو بار طویل ملاقات کر چکے ہیں ان ملاقاتوں میں ہندو مسلم مسئلہ پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ مسٹر راجگوپال اچاری بمبئی سے پھر وردھا جا رہے ہیں۔ دیکھنا ہے کہ ان ملاقاتوں کا کیا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

آل انڈیا ریسرچ بورڈ کا اجلاس

معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین کی قرارداد

مجلس عاملہ معاشی کمیٹی کا ایک جلسہ بتاریخ ۲۰ امرداد ۱۳۵۱ف بروز شنبہ بمقام دفتر معاشی کمیٹی بصدارت جناب مولوی میر اکبر علی خان صاحب بیرسٹرایٹ لا منعقد ہوا جس میں مختلف قراردادوں کے ساتھ ایک قرارداد آل انڈیا ریسرچ بورڈ کے اجلاسوں کی بابت منظور ہوئی جو حسب ذیل ہے۔

معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین نظامیہ کو اس امر کی بے حد مسرت ہے کہ اس سال آل انڈیا ریسرچ بورڈ کا اجلاس حیدرآباد میں ہو رہا ہے ہم کو یقین ہے کہ ان اجلاسوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کریں گے۔ ہماری یہ رائے ہے کہ جیسا کہ ریسرچ بورڈ جو فرمان سے قائم ہوا ہے اس کو ان تمام مسائل سے کیا جاتے ہوں خصوصاً جن میں آل انڈیا ریسرچ بورڈ نے کی ہیں اور یہاں کے مجالس میں اراکین حیدرآباد بورڈ اور دیگر متعلقہ ادارہ جات سرکار عالی وغیر سرکار عالی کو بھی شرکت کا موقعہ دیا جائے اور جب ممکن ہو ان مسائل سے حیدرآباد کی پبلک کو بھی روشناس کرایا جائے تاکہ آل انڈیا ریسرچ بورڈ کے مجالس کے فرخندہ بنیاد میں انعقاد سے پورا پورا فائدہ اہل ملک کو حاصل ہو سکے۔ معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین نظامیہ ان امور کو حکومت سرکار عالی اور بالخصوص عالیجناب صدر المہام بہادر صنعت و حرفت اور عالیجناب صدر المہام بہادر فینانس کی توجہ میں لانا چاہتی ہے تاکہ ان امور کے متعلق موثر تدابیر اختیار کی جا سکیں اور مسائل صنعتی جو جنگ کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں اور جن میں سے بعض کا تعلق حیدرآباد کے خاص حلقوں سے ہے ان پر پوری پوری توجہ سے غور فرمایا جائے گا۔

قانون انتقال اراضی کو فرقہ واری

پروپگنڈے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے

نامہ نگار "بمبئی کرانیکل" تحریر کرتا ہے کہ:

فرقہ پرستی کس حیرت انگیز احتیاط تک جا چکی ہے اس کی مثال ہندو پراپگنڈا کی اس روش سے دستیاب ہوتی ہے جو قانون انتقال اراضی کی نسبت ظاہر ہوا ہے۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ حیدرآباد میں کاشتکاروں اور زمینداروں کی بہت بڑی اکثریت ہندو ہے۔

ریاست حیدرآباد میں قانون انتقال اراضی اس غرض سے نافذ کیا گیا کہ کاشتکار زمینداروں کے مہاجنی دست برد سے محفوظ رہیں اور اس کا کسی کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر بھی مہاراشٹر کا ایک ذمہ دار ہندو اخبار جو کافی وقعت کا حامل ہے تحریر کرتا ہے کہ:

"حکومت نظام نے قانون انتقال اراضی اس غرض سے نافذ کیا ہے کہ ریاست کے مسلم فرقہ کو مالی فائدہ پہنچایا جائے۔ اس قانون کی رو سے برہمنوں کا طبقہ زرعی زمینات خرید نہیں سکتا۔ مرہٹے غریب اور مفلس ہیں۔ صرف وہ افراد زرعی زمین خرید سکتے ہیں جو مسلم فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مرہٹے مجبور ہیں کہ ان اراضیات کو کوڑیوں کے مول زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ حکومت نظام نے اس طرح مذہبی ظلم و تعدی کے ساتھ ساتھ معاشی مظالم شروع کر دئے ہیں۔"

دروغ بیانی اور افترا پردازی میں اس پرچہ کا مقابلہ ناممکن ہے۔ قانون انتقال اراضی کسی فرقہ کو زمین خریدنے سے منع نہیں کرتا۔ وہ کسی شخص کو زمین فروخت کرنے پر مجبور نہیں کرتا اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ زمیندار جب بھی چاہے کاشتکاروں کو بیدخل نہ کر سکیں۔ اس قانون کے ذریعہ کاشتکاروں کی حفاظت کی گئی ہے اور ان کو جدید حقوق عطا کئے گئے ہیں۔

یہ قانون تقریباً ویسا ہی ہے جو صوبہ کی کانگریسی حکومتوں نے نافذ کیا تھا۔ بعض حیثیتوں سے تو یہ کانگریس کے قانونوں سے بھی زیادہ ہے لیکن فرقہ پرست ہندو جو زمیندار اور سرمایہ پرست زمینداروں کی حمایت کرتے ہیں حکومت حیدرآباد پر الزام لگانے کے لئے حیلہ تلاش کرتے ہیں۔ وہ کھلے طور پر لوٹے جانے والے ہندو عوام کے مقابلہ میں لوٹنے والے سرمایہ دار ہندو طبقہ کی تائید نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ اس قانون پر فرقہ واری رنگ چڑھا کر پبلک کو یہ باور کراتے ہیں کہ اس قانون کا منشا برہمنوں اور مرہٹوں جیسے ہندوؤں کو نقصان پہنچانا ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جس میں مذہب کا نام لے کر لوٹے جانے والے ہندو طبقہ کو لوٹنے والے ہندو طبقہ کی تائید میں کھڑا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر یہ طریقہ ہندو عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

(بمبئی کرانیکل ۱۰ جون)

ایک اور سنگ میل

جدید دستوری اسکیم کے مطابق گزشتہ مہینے میں سالانہ ضلع کانفرنسوں کا آغاز ہوا۔ اس طرح دستوری میدان میں مملکت حیدرآباد کی ترقی کا اور ایک سنگ میل نصب کیا گیا۔ ان کانفرنسوں سے متعلق قواعد ماہ خورداد / اپریل کے آخری ہفتہ میں جریدہ سرکار عالی میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان قواعد کی بموجب ماہ تیر کے آخری ہفتہ میں کانفرنسوں کا انعقاد لازمی تھا مگر وقت نہایت کم ہونے کی وجہ سے اس سال ہر صوبہ میں ایک سے زائد اضلاع میں کانفرنسوں کا انتظام ممکن نہ تھا۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ غیر سرکاری نمائندوں نے شرکت کی ان کی تعداد اور طرز عمل کے اعتبار سے یہ کانفرنسیں جو اضلاع نانڈیڑ، عثمان آباد، ورنگل اور گلبرگہ میں منعقد ہوئی تھیں نہایت کامیاب رہیں جن کی صدارت صوبہ دار صاحبان نے کی۔ ہر کانفرنس میں ۱۰۰ تا ۲۰۰ سے زیادہ غیر سرکاری اشخاص شریک ہوئے جو مختلف مقامی مفادات مثلاً جاگیرداروں، ساہوکاروں، انعامداروں اور کسانوں وغیرہ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انہوں نے کانفرنس کی کارروائیوں میں سرگرم حصہ لیا۔ مثال کے طور پر نانڈیڑ کی کانفرنس میں تمام ضلع کی جانب سے چالیس تحریکیں پیش ہوئی تھیں جن میں مختلف موضوعات مثلاً صحت عامہ و صفائی، تعلیمات، دیہی ترقی، تعمیرات اور ذرائع رسل و رسائل کے متعلق تجویزیں شامل تھیں۔ ان تحریکات پر کامیاب طریقہ سے غور و خوض کیا گیا اور ہر فریق نے دوسرے کی دقتوں کا لحاظ رکھا۔ مجملہ کانفرنسوں کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ غیر سرکاری نمائندوں نے کانفرنسوں کے آغاز کی نسبت حکومت کے فیصلہ کا خیر مقدم کیا کیونکہ ان کے ذریعہ مقامی باشندوں سے سرکاری عہدہ داروں کا ربط قائم ہو جاتا ہے۔ اور وہ پہلے سے بہتر طور پر اہل ضلع کی خاص ضروریات سے واقف ہو سکتے ہیں اس سلسلہ میں نانڈیڑ کے گردوارہ کے منتظم جدید سنگھ صاحب کا تبصرہ قابل ذکر ہے۔ آپ نے فرمایا: "اس ضلع کے باشندوں کے جن حلقوں نے کانفرنس کا خیر مقدم کیا ہے آخر کار یہ کانفرنسیں عوام کے لئے رحمت ثابت ہوں گی"۔ مسٹر اے۔ ایچ۔ تریری صدر مجلس اتحاد المسلمین نانڈیڑ کا خیال ہے کہ ان کانفرنسوں کے ذریعہ ترقی کی جانب قدم اٹھایا گیا ہے اور یہ کانفرنسیں حقیقتاً ملک کے لئے مفید ثابت ہوں گی۔

بقیہ صفحہ ۱۰ پر

پارلیمنٹ میں تحریک عدم اعتماد پر مباحثہ

لندن ۔ ۲ جولائی۔ مسٹر آرتھر گرین وڈ نے دار العوام کے مباحثہ جنگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کیپٹن لٹلٹن نے لیبیا میں ہماری شکست کے اسباب کا پورا جواب نہیں دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے اکثر ہماری لڑنے والی فوجوں پر اعتماد کرتے ہیں لیکن وہ تمام حقیقتوں کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ جو کچھ ان پر ظاہر کیا گیا تھا وہ درست تھا اور یہ دیکھ سکیں کہ ہماری شکستوں کی تلافی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۱۶) گھنٹے کے مباحثہ کے بعد ایوان ملتوی ہو گیا۔ وزیر اعظم آج مباحثہ ختم کر دیں گے۔

تین چیزیں غلط اختیار کی گئیں۔

لندن ۔ ۲ جولائی۔ آج پھر سر جان وارڈلا نے عدم اعتماد کی تحریک پیش کی کیونکہ آج ہی جب دار العوام برخاست ہوا تو اراکین کی معمولی تعداد موجود تھی۔

دوسری تحریک کی تائید مسٹر اینورین بیوان نے کی انہوں نے کہا کہ تحریک کے مؤیدین کو برا بھلا کہا گیا۔ اگر تحریک نہ پاس ہوئی تو یہ ایوان کی بدنامی کا باعث ہوگا۔

اس نظریہ کے تحت تین چیزیں غلط تھیں۔ ایک تدبیر جنگ دوسرے ہتھیار اچھے نہیں دیے گئے۔ تیسرے ان ہتھیاروں کو غیر تربیت یافتہ لوگوں نے استعمال کیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ خود طیاروں کو ٹھیک طور پر استعمال نہیں کیا گیا اور انہوں نے حکومت پر الزام لگایا کہ اس نے فوج کو بار برداری کے کافی طیارے فراہم نہیں کئے۔

براعظم یورپ پر حملہ کر دینا چاہیے۔

مسٹر ایسٹ نے تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ دوسرا محاذ قائم کرنے میں صرف جوش و خروش ہی کافی نہیں ہے اور اس سے زیادہ کوئی اہم چیز نہیں ہو سکتی کہ بعض معقول لوگوں کے اصرار کے جواب میں براعظم پر ہمارے آدمیوں کو حملہ کرنے دیا جائے۔ اس تجویز کا جواب دیتے ہوئے کہ مسٹر چرچل وزارت دفاع سے دستبردار ہو جائیں کرنل ایسٹ نے اس طرف اشارہ کیا کہ روس میں اسٹالین روسی فوجوں کے ذمہ دار ہیں۔ اور ریاست ہائے متحدہ میں صدر روزویلٹ بدستور فوج کے سپہ سالار ہیں۔

سر … نے حکومت کی جانب سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ تحریک … وزیر اعظم کی شہرت کو نقصان پہنچانے کی ایک کوشش ہے۔

مسٹر چرچل کی تقریر

لندن ۔ ۲ جولائی۔ جنگ کے متعلق پارلیمنٹ کے مباحثہ کو ختم کرتے ہوئے مسٹر چرچل نے بہت صاف صاف جنگ کی صورت حالی کو پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ پارلیمنٹ میں پیش کرنے کے لئے ایک کل بیان تیار کرتے ہیں۔ انہوں نے پوری کوشش کی لیکن ان کے لئے اس معرکہ کو نظر انداز کر کے جو مصر میں ہو رہا ہے اس طرف توجہ کرنا بہت مشکل ہو گیا۔ اس لئے کسی کو بھی یقین ہے کہ ہم کو نہایت رنج دہ انگیز … والی خبر ملی۔ لیبیا میں گذشتہ معرکہ۔

مسٹر … نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے … کو تعلق جنگ لیبیا کے مرتبے پر مسٹر … گستان میں بہادری اور … فوجوں کی قوت کے متعلق غلط بیانات دیئے۔ انہوں نے کہا کہ اس حملہ میں ہم نے ۴۰ ہزار قیدی پکڑے تھے۔ اور دشمن کو … پیچھے ہٹا دیا تھا لیکن اس وقت بھی اس سے زیادہ … انگیز … ہماری توجہ کو مصروف کئے ہوئے تھے اس دفعہ ہم نے ۵۰ ہزار سے زیادہ سپاہیوں کا نقصان اٹھایا ہے جن میں سے اکثر قید ہو گئے ہیں اور اب رومل دریائے نیل کی زرخیز وادی کی طرف بڑھ رہا ہے۔

طبروق کا سقوط خلاف توقع تھا۔

طبروق کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس کے سقوط کا سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ یک لخت ۲۵ ہزار سپاہیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ واقعہ نہ صرف کابینہ جنگ اور عوام کے لئے غیر متوقع تھا بلکہ جنرل آکنلک کو بھی اس بات کا گمان نہ تھا اس لئے کہ اس قلعہ کے سقوط سے ایک ہی شب پہلے جنرل ایڈن کا ایک تار موصول ہوا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ قلعہ کی فوج کافی ہے اور دفاعات اچھی حالت میں ہیں۔ اپنے امریکہ کے سفر کے متعلق مسٹر چرچل نے کہا کہ وہ اس وقت اس گفتگو کو نہیں بتا سکتے جو وہاں ہوئی اس لئے کہ اس کا زیادہ تعلق جہازوں، توپوں، فوجوں اور طیاروں کی نقل و حرکت سے تھا۔ وہ صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت جو اتحاد امریکہ اور برطانیہ کے درمیان قائم ہے اس سے زیادہ مستحکم اتحاد کبھی کسی دو اقوام میں قائم نہیں ہوا ہے۔

شکست کا سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو

لیبیا کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس جنگ میں ہماری شکست کا سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ یہ ہمیں ایسے حالات میں پیش ہوئی جن حالات میں ہمیں کامیابی کی کافی توقع تھی جس وقت جنگ شروع ہوئی تو ہمارے پاس ایک لاکھ سپاہی تھے اور دشمن کے پاس نوے ہزار تھے جن میں ۵۰ ہزار جرمن تھے ہمارے پاس دبابے بھی زیادہ تھے یعنی تقریباً ہمارے سات دبابوں کے مقابلہ میں دشمن کے پاس پانچ تھے۔ اسی طرح توپخانے میں بھی ۸ اور ۵ کی نسبت تھی۔ ہمارے توپخانے میں ۲۵ پونڈ کی جدید ترین توپیں تھیں اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم کو دشمن کی ۸۰ پونڈ کی توپوں کا مقابلہ اپنی ۲۵ پونڈ کی توپوں سے کرنا پڑا۔ پورے معرکہ میں ہماری فوجوں کو ہوائی تفوق حاصل تھا اور اب بھی ہے۔ اس لئے ہمیں یقین کرنے کا حق حاصل تھا کہ ہم کو کامیابی ہوگی۔

نقصانات کی تفصیل۔

مسٹر چرچل نے اس کے بعد ان نقصانات کی تفصیل بتائی جو … کی شکست کے وقت آٹھویں فوج کو برداشت کرنے پڑے انہوں نے کہا کہ … کے وقت آٹھویں فوج کو برداشت کرنے پڑے۔ انہوں نے کہا کہ جنگ کے وقت ہمارے پاس تقریباً تین سو دبابے تھے لیکن شام ہونے تک صرف ۷۰ باقی رہ گئے۔ اور اس کے بدلے میں ہم اتنا ہی نقصان دشمن کو نہ پہنچا سکے۔ باوجودیکہ ہمیں اچھا بہت سا سامان ضائع کر دیا لیکن پھر بھی ہمارے بہت بڑے ذخائر پر دشمن کا قبضہ ہو گیا۔

مشرق میں فوجی قوت

انہوں نے کہا کہ مشرق وسطیٰ میں دشمن کو یہ معلوم تھا کہ نیوزیلینڈ کی فوج مصر میں لڑ رہی ہے۔ ہم نے کبھی کمک کے بھیجنے میں کمی نہیں کی۔ باوجودیکہ ہم کو جاپانی خطرہ کی وجہ سے ہندوستان کو بھی کمک بھیجنی پڑی اور آسٹریلیا کی فوج کا ایک حصہ بھی اپنے وطن کی حفاظت کرنے کے لئے واپس جا چکا تھا۔ ہم نے اس ملک سے اور کس قدر کم تعداد میں امریکہ سے مشرق وسطیٰ کو ۶ لاکھ سپاہی ۴ ہزار دبابے ۶ ہزار طیارے تقریباً ۵ ہزار … توپیں اور تقریباً ایک لاکھ گاڑیاں روانہ کی گئی ہیں۔

روس کی امداد

اس کے علاوہ ۲ ہزار سے زیادہ دبابے ہم روس بھیج چکے ہیں جہاں وہ استعمال ہو رہے ہیں۔ اب ایک نیا دبابہ تیار کیا جا رہا ہے جس کے متعلق یقین ہے کہ وہ بہت طاقتور … ثابت ہوگا۔

فتح کا یقین

جنگ مصر کے متعلق یہ کہتے ہوئے کہ تازہ ترین اطلاع کے بعد انہیں ابھی تک کوئی اور خبر نہیں ملی ہے وزیر اعظم نے جنرل آکنلک پر اپنا اعتماد ظاہر کیا اور کہا کہ ان کو یقین ہے کہ یہ اعتماد غلط ثابت نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ان کا کبھی یہ گمان نہ تھا کہ یہ جنگ مختصر ہوگی یا ۱۹۴۲ء میں ختم ہو جائے گی۔ باوجود اس کے ایشیا میں جو نقصانات ہوئے ہیں اور باوجود لیبیا کی شکستوں کے اور باوجود اس کے کہ امریکہ کے ساحل پر غرق ہونے والے جہازوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے نیا سال شروع ہونے کے بعد متحدہ اقوام کی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ روسیوں کی مدافعت بلاشبہ ایک نمایاں عنصر ہے روسیوں نے پہلے ہی ہٹلر کو حیران کر دیا تھا اور یقین ہے کہ وہ پھر اس کو حیران کریں گے۔

ہر حال جو کچھ بھی ہو ہم آخر دم تک اور فتح حاصل کرنے تک لڑتے رہیں گے۔

ہندوستان کی حفاظت۔

ہندوستان کے متعلق انہوں نے کہا کہ جاپان اب بھی حملہ کر رہا ہے اور برطانیہ نے کبھی ہندوستان میں ایسی فوج جمع نہیں کی تھی جتنی کہ اس وقت وہاں ہے سیلون کو بھی اب مستحکم کر دیا گیا ہے اور یہ تمام کام اس وجہ سے ممکن ہوا کہ امریکی بحریہ اور ہوائیہ نے بحر کورل اور مڈوے کی لڑائیوں میں شاندار فتح حاصل کی۔

تحریک اعتماد مسترد ہوگی۔

تحریک عدم اعتماد ۲۵ آراء کے مقابلہ میں ۴۷۵ آراء کی اکثریت سے مسترد ہوگی۔

تہذیب کا مستقبل

از

سر الفرڈ زمرن

(بقیہ سلسلہ ہفتہ گزشتہ)

سیاسی حالات کچھ ایسے تیز پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق ایسے سخت قسم کے ضابطے بنانا جیسے کہ واشنگٹن میں کئی کمیٹیوں نے بنانے کی کوشش کی تھی ممکن نہیں ہے۔ بہر حال مالی تنگی اور سکون کی تبدیلی کے بین بین کوئی صورت ضرور ہوتی ہے۔ سیاسی عمل کے لیے عام اصول ضرور بنائے جا سکتے ہیں جن سے خاص خاص صورتوں میں جیسے وہ پیدا ہوتی رہیں، بہتری ہو سکے۔ ان صفحات میں اس موضوع کی تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ جب تک اختلافات قول و عمل کی اس دیرینہ خلیج کو پاٹنے کی کوشش استقلال کے ساتھ نہ کی جائے گی جو صدیوں سے خود ہمارے ملک اور دیگر مغربی ملکوں میں حائل ہے اور اسے دونوں صورتوں سے نہ پاٹا جائے گا تب تک خارجی معاشی اور سیاسی مسائل کے حل کرنے میں کامیابی کی امید بیکار ہے۔

بنیادی مسئلہ

بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ صنعتی انقلاب نے جو حالات پیدا کئے ہیں ان کے ساتھ انسان کی معاشی اور سیاسی عادتوں اور روایتوں کو کیونکر ہم آہنگ بنایا جائے۔

سو برس قبل جس چیز کو استعارۃً صنعتی انقلاب کہتے ہیں وہ ایک طریقہ کار تھا جو اٹھارہویں صدی کے ربع آخر کی بعض ایجادات سے (جو خصوصاً برطانیہ عظمیٰ میں ہوئیں) وجود میں آیا تھا۔

یہ ایجادیں اس سائنٹفک یا تجرباتی طریق کار کا نتیجہ تھیں جس سے کام لے کر لوگوں نے قدرتی دنیا کے بارے میں اپنے علم میں اضافہ کیا اور جس کی بدولت سترھویں صدی کی ابتداء سے مغربی ملکوں میں انکشافات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کارنامہ میں دو انگریزوں کے نام خاص طور پر ممتاز ہیں۔ ایک تو فرانسس بیکن جو سائنٹفک طریقہ کا بانی تھا اور دوسرا آئزک نیوٹن جس نے قانون کشش ثقل دریافت کیا۔ یہ دونوں اور ان کے دوسرے کارکن جو مغربی دنیا کے تجربہ خانوں اور علم کے مرکزوں میں پھیلے ہوئے تھے اس تحریک کے بانی تھے جس نے اٹھارہویں صدی کے اواخر میں زور پکڑا اور جس کی بدولت چند قرنوں ہی کے اندر انسانی زندگی کے خارجی حالات میں ایسی تعجب انگیز تبدیلی ہو گئی ہے کہ ازمنہ سابقہ میں بنی نوع انسان کو ہزار ہا سال تک کوشش کرنی پڑی تھی۔ جس زمانہ میں جارج سوم تخت پر بیٹھا اور جارج واشنگٹن ورنن میں پیدا ہوا وہ اپنے ظواہر کے اعتبار سے فرعون کے تخت نشین ہونے سے قریب اور شاہ تغلان کے زمانہ سے بنا بعد جارج ششم یا فرینکلن روزویلٹ کے زمانے کے قریب تر تھا۔

ہم سب اس انقلاب کے لوازمات سے بخوبی واقف ہیں جس نے سخت دور کو نیا دور بنا دیا کہ رہٹ، روئی، دخانی جہاز، ریلگاڑی، گرجے، سیمنٹ کی ترکیب، گیس، الیکٹرک مواد اور بجلی اور بجلی بیماریوں کے دور کی موٹریں، ہوائی جہاز، ٹیلیفون اور دوسری ایجادیں۔ آج ہم ان سب چیزوں سے اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ ہم انہیں سطحی اور رسمی انداز میں تسلیم کیے ہوئے ہیں جن سے ہم بجز اپنے قدیم خیالات اور عادتوں میں خلل ڈالنے کے اور کچھ اندوز ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ ہم سائنس کے خوان نعمت کی ناقدری کریں۔ بلکہ ان موجدوں اور مفکروں کے بھی احسان مند رہیں جن کی محنت سے صنعتی انقلاب پیدا کیا اور جس طرح وہ اب بھی روز بروز اس کی انقلاب انگیزیوں کو ترقی دے رہے ہیں۔ اس کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم خود بھی اپنی ہی کوشش صرف کر کے ان نئی قوتوں کو اپنے قابو میں رکھیں، انہیں مفید راستوں پر ڈالیں، اور صنعتی انقلاب کو معاشرتی انقلاب میں بدل دیں یعنی جو چیز محض ایک صنعتی عمل کی طرح شروع ہوئی اور جس نے دنیا کے معاشی نظام میں تبدیلی پیدا کر دی اسے ہم ایک ایسے عمل میں بدل دیں جس سے بنی نوع انسان کی معاشرتی زندگی کی نئی اہمیت پیدا ہو جائے تاکہ جو وسائل ماہرین سائنس نے فطرت سے بزور حاصل کئے ہیں وہ بقول فرانسس بیکن انسان کی حالت کی بہتری کے لئے استعمال ہو سکیں۔

صنعتی انقلاب میں بنی نوع انسان کے لیے جو نئے امکانات پائے جاتے ہیں انہیں تین لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے یعنی افزائش، افزاط اور انحصار باہمی۔

جب سے دنیا قائم ہے انسان نے اپنا رزق "اپنی پیشانی کے عرق سے" حاصل کیا ہے۔ ہر انسانی معاشرہ کے پائے میں محنت کرنے والوں کا ایک جم غفیر ہمیشہ موجود رہا ہے خواہ وہ غلام ہو یا بظاہر نام آزاد اس سے بحث نہیں اور یہ لوگ ہر روز بلا ناغہ تھکا دینے والی جسمانی محنت میں مصروف رہے ہیں۔ اب سائنس نے اس "قابیل کی بد دعا" کے اثر کو زائل کر دیا ہے اور یہ اس طرح سے کہ دستی قوت کی جگہ مشینی قوت پیدا کر دی ہے۔ یہ سلسلہ صدیوں پیشتر جانوروں کو پالنے اور پہیے، پن چکی، پون چکی اور دوسرے آلوں کی ایجاد سے شروع ہوا تھا۔ لیکن پچھلے چند قرنوں میں اس کا دائرہ لامتناہی ہو گیا ہے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ آج دنیا کا کاروبار بغیر جسمانی محنت کے انجام پاتا ہے۔ لیکن اندازہ ہے کہ اب اس کے لئے تھکا دینے والی محنت شاقہ نہیں کرنی پڑتی۔ اگلی تہذیبوں میں جو کام غلاموں سے نکلتا تھا وہ اب جاندار مشینیں کرتی ہیں۔ لیکن یہ ہمارا فرض ہے کہ ان مشینوں کو قابو میں رکھیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ہم آپس میں اس پر متفق نہ ہوں کہ ان کا استعمال کس مقصد کے لئے کیا جائے۔ یہاں پھر وہی نیت کا سوال اور وہی اخلاقی مسئلہ پیدا ہو گیا جس سے ہم اوپر بحث کر چکے ہیں۔

جب سے دنیا قائم ہے انسان کو اپنے متعلقین کی خاطر کسی کا خوف ہر اساں رکھتا ہے۔ انسانوں کے ہر گروہ میں قابل استعمال وسائل پیدائش محدود رہے ہیں اور یہ محدودی قدرتی اسباب یا جیسا کہ اس زمانہ میں خیال کیا جاتا تھا، قدرت کی بخیلی کی وجہ سے تھی، جو کسی موسم میں مقامی فصلوں کے تباہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی تھی۔ قحط کا لفظ سنتے ہی اس صورت حالات اور اس سے پیدا ہونے والی ذہنی کیفیت کا خیال آ جاتا ہے۔ قحط کا یہ مطلب نہ ہوتا تھا کہ ساری دنیا میں غلہ یا کسی اور ضروری پیداوار کی کمی ہو گئی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جب مصر میں فرعون کے زمانہ کا ہفت سالہ قحط تھا تو اسی زمانہ میں ملک عرب کے اس پار عراق میں غلہ کی افراط رہی ہو۔ قحط سے مراد کسی جنس کی ایسی مقامی کمی ہے جو علاقہ موجودہ بیرونی ذرائع سے دور نہیں کی جا سکے۔

آج قحط قصہ پارینہ ہو گیا ہے۔ اگر آج کہیں قحط پایا جائے تو اسے ان دنیاوی حالات کی یادگار سمجھنا چاہئے جنہیں سائنس نے اگرچہ متروک نہیں بنا دیا ہے تاہم انکم مدبروں کو اس قابل ضرور کر دیا ہے کہ وہ انہیں متروک بنا دیں۔ اس کے دو اسباب ہیں یعنی افراط اور انحصار باہمی۔ ایک تو وہ فتح جو زراعت کے ماہر پیشے قدرت کی بخیلی پر حاصل کی ہے اور دوسرے وسائل رسل و رسائل اور نقل و حمل کی ترقی جس نے فاصلہ کی رکاوٹوں کو تقریباً مسمار کر دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سائنس کی بدولت تھکا دینے والی محنت شاقہ اور فاقہ کشی کی وہ دو مصیبتیں جو ہمیشہ سے انسانوں کے اوپر مسلط تھیں دور ہو گئی ہیں تو آج دنیا میں پہلے سے زیادہ خوشی کیوں نظر نہیں آتی؟ لاکھوں انسانوں سے آج ضرورت سے زیادہ کام کیوں لیا جاتا ہے اور انہیں ضرورت سے کم غذا کیوں نصیب ہوتی ہے؟ دنیا کے باشندے دولت اور قوت حاصل کرنے میں آج کیوں اس طرح ایک دوسرے کے حریف بنے ہوئے ہیں گویا کہ ان دونوں کی مقدار محدود ہے اور ایک نہ ایک فریق کو لازماً ان سے محروم رہنا پڑے گا؟

اس کا جواب آسان ہے۔ ان پریشانیوں کی ذمہ داری بیرونی حالات پر عائد نہیں ہوتی۔ دنیا میں اتنی زیادہ قوت موجود ہے کہ ساری دنیا کا کام پورا ہو جائے اور پھر بھی بچ رہے۔ اسی طرح ساری دنیا کے باشندوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے وسائل پیدائش کافی سے بھی زیادہ مقدار میں موجود ہیں۔ ان پریشانیوں کا اصل سبب انسانوں کی ذہنیت ہے۔ بہت زیادہ انسان آج بھی قوت کا وہی تصور قائم کئے ہوئے ہیں جو فرعون یا بخت نصر کا تھا۔ وہ اس کا تصور اس طرح نہیں کرتے جس طرح کہ آبشار نیاگرا کے رہنے والے کرتے ہیں۔ فرعون کی قوت ایک فرد واحد کی قوت تھی جو اس کی ذاتی حکومت کے بل بوتے پر قائم تھی اور جس کا نشان عصائے شاہی تھی "ایک شاندار بڑی لاٹھی" تھا۔ اس کے برخلاف دریائے نیاگرا کی قوت جو امریکہ اور کینیڈا کی سرحد پر ہے، اور صنعتی مستوں کے ہی جدید سیاسی معبود ہے، کچھ نہیں بلکہ عمومی قوت ہے، ایک ایسی قوت ہے جو اطراف و اکناف کے باشندوں کی بہبودی کے لئے یکجا اور منظم کی گئی ہے جسے ضائع ہونے سے بچایا گیا ہے اور "انسانی حالت کی بہتری" کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

مال و دولت کے بارے میں بھی انسانوں کا تصور آج تک وہی ہے جو قدیم وضع کے بخیلوں کا تھا یعنی سونے، جواہرات یا دیگر ذاتی مال و اسباب کا ایک ڈھیر جسے ذاتی خوشی یا نسل و خوراک اور دیگر ضروریات پر صرف کیا جا سکے۔ وہ اس کا تصور اس طرح نہیں کرتے جس طرح کہ جمہوری سلطنتوں کے وزرائے مالیات یا خزانچی اب کرنے لگے ہیں یعنی یہ کہ وہ قومی دولت کا ایک دھارا ہے۔ (بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

صوبۂ آسام کے ایک قصبہ میں ۱۲ جون کو سخت فساد ہوا جب کہ کوچین اور عواذ نکوں کی ریاستوں کے مزدوروں کی ایک بڑی تعداد نے جو اس نواح میں ملازم تھے گاؤں کو لوٹ لیا اور (۱۲۳) گھر جلا ڈالے۔ (اسوشی ایٹیڈ پریس)

اس واقعہ پر ہمیں مطلق حیرت نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ ایک عرصے سے برطانوی ہند کے باشندے ریاستوں میں مداخلت کر کے شور و فساد برپا کرتے رہے ہیں۔ اب اگر ریاستوں کے باشندوں نے ہندوستان کے صوبوں میں تھوڑی سی اُتھل پتھل پیدا کر دی ہو تو کیا مضائقہ ہے؟ یہ بالکل قانونِ قدرت کے مطابق ہے۔ اور قانونِ قدرت یہ ہے۔

ہر عمل کے لئے ہے ردِ عمل
و ہر جنبش کا جواب ہے جنبش

"ہم کو اس کا علم ہے کہ سر حیدری نے اپنی صدر المہامی پولیس کے زمانہ میں ہمیشہ پبلک کارکنان ملک سے خوش گوار تعلقات قائم رکھے اور اکثر موقعوں پر جب اختلاف رونما ہوا آپ نے بذریعہ مفاہمت و تبادلۂ خیالات رفع اختلاف کی کوشش فرمائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی پبلک لائف کو مناسب ترقی اور تقویت حاصل ہوئی۔ تاکہ رعایا ملک کے حقوق فطری مثلاً آزادی تقریر اور آزادی اجتماع وغیرہ پر جو قیود پہلے سے قائم تھے وہ نواب صدر المہاموں کے زمانہ میں بھی بحال و برقرار رہے۔ پبلک کو یہ امید تھی کہ ان کے زمانہ میں ایسے قیود برخاست ہو جائیں گے اور ایسے حقوق رعایا ملک سرکار عالی کو کم از کم اس حد تک حاصل ہو جائیں گے جس حد تک کہ رعایا برطانوی ہند کو حاصل ہیں مگر اس میں پبلک کو مایوسی کا سامنا رہا۔" (مشیر دکن)

معاصر موصوف کو اور مایوسی ہوتی اگر آزادی تقریر کے متعلق کانگریس کے معتمد عمومی مسٹر اچاریہ کرپلانی کا حسب ذیل بیان بھی نظر سے گزر جاتا۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ آزادی تقریر جمہوریت کا عطیہ ہے۔ مگر ہر حق کے بالمقابل ایک فرض ہوتا ہے جمہوریت میں بھی آزادی تقریر کو روایات اور قانون کے تابع رکھنا پڑتا ہے۔ ہر شخص کو احتیاط اور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ آزادی تقریر پر قیود عائد کرنے کے لئے یہ دیکھا نہیں جاتا کہ کیا کہا گیا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کہاں اور کس طرح کہا گیا۔ یہ قیود خانگی افراد اور نیز پبلک کارکنوں پر مساوی طور پر عائد ہوتے ہیں۔"

تاہم اگر معاصر موصوف تمام قیود کو بالائے طاق رکھ کر برطانوی ہند کے باشندوں کی تقلید میں کرتا رہے کی آزادی چاہتا ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

محکمہ اے۔ آر۔ پی نے حکومت کے آگے (۹۲) لاکھ روپے کی اسکیم پیش کی ہے۔ (دکن نیوز)

ہماری اطلاع یہ ہے کہ ۹۲ لاکھ کی اس اسکیم کو رد کیا جانے کے بعد محکمہ فینانس نے حکومت کے آگے انکم ٹیکس کی ایک اسکیم پیش کی ہے۔ جس کا یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سیٹھ لکشمی نواس گیروال کو انکم ٹیکس کی اسکیم سے پورا اتفاق ہے۔

"یہ عہد ہے جمہوریت کا۔ ممکن ہے کہ جمہوریت اس وقت سخت کشمکش میں مبتلا ہو۔ لیکن ہم کو یقین ہے کہ بالآخر دنیا میں جمہوریت کو فتح حاصل ہوگی۔ یہ ممکن ہے کہ جمہوریت کے بدعات بھی ہوں لیکن دیگر نظامات سیاسی کا لحاظ کرتے ہوئے جو اس وقت دنیا میں کارفرما ہیں باوجود اس کی بدعات کے جمہوریت سب سے بہترین سیاسی نظام ہے چونکہ اس سیاسی نظام میں ہر جماعت اور ہر مکتبِ خیال کو پنپنے کا موقع ملتا ہے۔ لہٰذا اختلاف خیال اور مخالف پارٹی کا وجود جمہوریت کا عنصر ہے۔" (رعیت)

جس سیاسی نظام میں "ہر مکتبِ خیال اور ہر جماعت کو پنپنے کا موقع" ملے وہ جمہوریت نہیں راج ہے۔ حقیقی جمہوریت تو وہ ہے جس میں صرف فرقۂ اکثریت کو اقتدار حاصل ہو رہا اقلیت کا مسئلہ وہ تو جمہوریت کے بدعات میں داخل ہے۔ ع

حقیقت اک یہی باقی فسانہ!

حامیانِ اردو کے لئے یہ خبر باعثِ مسرت ہوگی کہ علم تجارتی اشتہارات کی اصلاحِ زبان اور اشتہاری معیار کو بلند کرنے کے لئے انجمن ترقی اردو ہند، حیدرآباد نے ایک اہم ترین شعبۂ اشتہار و اشاعت قائم کیا ہے۔ اس شعبہ کا مقصد زبان کی توسیع اشاعت کے ساتھ ساتھ جدید اور معیاری اصولوں پر تاجروں کے لئے اشتہاری ذرائع و وسائل میں بکفایت سہولتیں فراہم کرنا ہے۔ (ایک اعلان)

انجمن ترقی اردو ہند کو فن تشہیر میں جو مہارت حاصل ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ ادارۂ ادبیات اردو کے لئے ایک لمحۂ فکر۔

اصلاحات کے متعلق آندھرا کانفرنس کی قرارداد کی نسبت بعض آندھرا حلقوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اس اختلاف رائے کی بناء پر مسٹر رام کوٹیشور راؤ صدر کانفرنس کو بہ حال میں حیدرآباد آئے تھے اپنی مجلس عاملہ تشکیل دینے کے لئے بعض کے نام شامل کئے۔ مسٹر راما راؤ ریڈی نے کامریڈ اسوسی ایشن سے (۷) نام دئے لیکن جب صدر کانفرنس نے دوسرے اصحاب سے ملاقات کی تو انہوں نے نام دینے سے انکار کر دیا۔ (اسوشی ایٹیڈ پریس)

معلوم ہوتا ہے کہ کامریڈ اسوسی ایشن کو آندھرا کانفرنس سے وہی تعلق ہے جو موتی کانفرنس کو کانگریس سے ہے۔ بہر حال یہ خبر بھی قابلِ اطلاع ہے کہ کامریڈ اسوسی ایشن کے صدر جاگو بنگار کا نعرہ لگاتے ہوئے آندھرا کانفرنس کے چہرے پر سے نقاب ہٹا رہے ہیں۔ صدر غیر گردن زدنی۔

"مسٹر گاندھی کو اس سوال کا جواب دینا چاہئے کہ اگر برطانیہ اور امریکہ کی فوجیں ہٹالی گئیں تو ہندوستان اپنی مدافعت کس طرح کرے گا" (کامریڈ ایم۔ این۔ رائے)

سیاہ جھنڈیوں اور ڈاہری گولیوں سے۔ یہی تو وہ نئی تحریک ہے جو گاندھی جی شروع کرنے والے ہیں۔

مثال ناڈو صوبہ داری ہندو مہا سبھا نے ڈاکٹر مونجے کی صدارت میں ایک قرارداد کے ذریعہ مسلمانوں کے علٰحدہ قوم ہونے کے نظریہ کی تردید کی۔ اس قرارداد میں بتایا گیا ہے کہ محض تبدیلی مذہب کی وجہ سے مسلمانوں نے ہندوستان کے ہندو قوم کی اپنی حیثیت کو ختم نہیں کیا۔ (اسوشی ایٹیڈ پریس)

ع دونوں گنگا میں بہہ گیا افسوس!

گاندھی جی کی نئی تحریک بے محل ہے

(بقیہ صفحہ سوم (۱))

اپیل کر رہے ہیں۔ ایسی کمزور مزاحمت دو دن بھی باقی نہ رہے گی۔ پنڈت جی ہدایتہً یہ باور کرتے ہیں کہ جاپان کی ملوکیت برطانیہ کی طرح بڑی بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ اگر ایسا ہے تو جاپان کا تسلط کانگریس کے نصب العین یعنی آزادی کو اور پیچھے ہٹا دے گا۔ لہٰذا ہندوستان کی آزادی کے ایک لازمی اور پہلے قدم کے طور پر انہیں اس حملے کی مزاحمت کرنی چاہئے اور خود ان کے حامیہ بیان کے مطابق تلوار سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ ورنہ زرد تسلط کے بعد جس کا خطرہ لاحق ہے انہیں تو زر چلانے کا موقع ملا تو کجا وہ شاندار نعرے بھی لگا نہ سکیں گے جو بے دھڑک لگا رہے ہیں۔

ہندوستان کی قومی زبان

(تقریر جناب معین الدین صاحب حارث ایڈیٹر "اجل" بمبئی جو نشرگاہ اورنگ آباد سے نشر کی گئی)

ہندوستان کی قومی زبان کیا ہے یا کیا ہو سکتی ہے یہ سوال ظاہری طور پر کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے کیوں کہ نہایت آسانی سے اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جس طرح انگلستان کی قومی زبان انگریزی، فرانس کی فرنچ، جرمنی کی جرمن، روس کی روسی، اسپین کی اسپینی اور جاپان کی قومی زبان جاپانی ہے اسی طرح ہندوستان کی قومی زبان ہندوستانی ہی ہو سکتی ہے۔ یہ جواب اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے مگر اس سے جس مسئلے کا تعلق ہے وہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے۔

اس کے کئی سبب ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ ہمارا وطن ہندوستان تین طرف سے سمندر اور چوتھی طرف سے دنیا کے سب سے اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہونے کی وجہ سے جغرافیہ کے اعتبار سے ایک وحدت ضرور ہے مگر اس کا رقبہ اتنا وسیع ہے اور آب و ہوا، پیداوار اور قدرتی ذرائع وغیرہ کے اعتبار سے اس کے بعض حصے یا خطے بعض دوسرے حصوں سے اس قدر جدا ہیں کہ اس بنا پر پورے ہندوستان کو ایک ملک کہنے کی بجائے بہت سے ملکوں کا مجموعہ کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا۔ ہندوستان کے بعض حصے ایسے ہیں جن کی اپنی مستقل اور کافی ترقی یافتہ زبانیں ہیں۔ مثلاً صوبہ بنگال میں بنگالی، مہاراشٹر میں مراٹھی، گجرات میں گجراتی، اور جنوبی ہند میں کئی اور زبانیں ہیں جیسے کرناٹکی، تامل اور تلنگی وغیرہ۔ لیکن یہ سمجھنے سے کہ ہندوستان کو اپنی وسعت کے اعتبار سے ایک ملک کے بجائے بہت سے ملکوں کا مجموعہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا اور یہاں مختلف صوبوں میں مختلف زبانیں ہیں، یہ مراد نہیں ہے کہ اس ملک میں کوئی مشترک قومی زبان نہیں ہے یا نہ ہونی چاہیے۔ دنیا میں اور بھی ایسے ملک ہیں جہاں ایک سے زیادہ زبانوں کا رواج ہے اور اس کے باوجود ان میں قومی یا سیاسی وحدت موجود ہے۔

ادھر کچھ عرصے سے اور خاص کر جب سے ملک میں ریڈیو نے رواج پایا، ہندوستان کی قومی زبان کے مسئلے نے اور زیادہ اہمیت حاصل کی اور یہ بحث چھڑی کہ ریڈیو پر سے ہندوستان کیلئے جو زبان استعمال کی جائے وہ کیا ہو۔ اب سے کوئی دو سال پہلے آل انڈیا ریڈیو نے اس مسئلے پر ملک کے چند ممتاز بزرگوں سے تقریریں کرائی تھیں جن تقریروں کے لکھنے میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا تھا کہ اس مسئلے کے متعلق مختلف خیالات کی نمائندگی ہو سکے چنانچہ ایسا ہوا بھی۔ مگر ان تقریروں کے ایک ساتھ مطالعے سے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہندوستان کی قومی زبان کے متعلق ان بزرگوں میں اختلاف کے مقابلے میں اتحاد کہیں زیادہ ہے۔ جن باتوں پر ان بزرگوں میں اتحاد پایا گیا وہ حسب ذیل تھیں۔

(۱) ہندوستان کے لئے ایک مشترک قومی زبان کی ضرورت مسلم ہے۔

(۲) یہ قومی زبان وہی ہو سکتی ہے جو پچھلی دو صدیوں سے شمالی ہند کے اس حصے میں جو دہلی اور اس کے آس پاس کا علاقہ ہے بولی جاتی رہی ہے اور اب عام طور پر جو سارے ملک میں سمجھی جاتی ہے اور ملک کے تمام صوبوں کے بڑے شہروں میں اور ان صوبوں کی مقامی زبانوں کے علاوہ یہی زبان سمجھی جاتی ہے۔ ان بزرگوں میں جو اختلاف تھا وہ اس زبان کے نام پر تھا بعض کو اصرار تھا کہ یہ زبان اردو ہی ہے اور بعض اسے ہندوستانی مانتے تھے۔ دو ایک اور باتوں پر بھی ان میں اتفاق رائے پایا گیا اور وہ یہ تھا کہ عام زبان میں خواہ مخواہ عربی فارسی یا سنسکرت کے مشکل الفاظ استعمال کرکے اسے مشکل بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی غلط ہے کہ جو الفاظ ایک بار اس زبان میں داخل ہو چکے ہیں (خواہ وہ اصل میں کسی بھی زبان کے الفاظ ہوں) انہیں زبان سے خارج کرنے یا نکالنے کی کوشش کی جائے۔ سب کو اس بات پر بھی اتفاق تھا کہ دوسری زبانوں کے الفاظ ملنے سے کسی زبان کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ یہ چیز ہر زندہ زبان کا وصف ہے اور اس طریقے سے اس کا سرمایہ بڑھتا جاتا ہے۔ بشرطیکہ یہ کام صحیح طور پر کیا جائے یعنی مناسب اور ضروری الفاظ کے انہیں اپنا لیا جائے۔

مگر یہ باتیں عام ضرورت کے لئے زبان کے استعمال یا بول چال کی زبان کے متعلق تھیں۔ اس کو بھی سب نے تسلیم کیا تھا کہ بول چال کی زبان اور لکھنے کی زبان یا کتابی زبان میں کچھ فرق ہونا قدرتی بات ہے اور جب ادبی زبان لکھی جائے تو اس میں لکھنے والے کے رنگ کا نمایاں ہونا بھی قدرتی بات ہے۔ اس لحاظ سے بعض لکھنے والے جنہیں عربی فارسی سے زیادہ تعلق رہا ہے قدرتی طور پر عربی فارسی کے الفاظ زیادہ استعمال کریں گے۔ اور بعض لکھنے والے جن کا سنبندھ سنسکرت سے زیادہ رہا ہے ان کے ہاں سنسکرت کے شبد زیادہ آئیں گے۔ لیکن یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس قسم کے لکھنے والے ایسے الفاظ محض اپنی علمیت جتانے کے لئے استعمال نہ کریں بلکہ لکھتے وقت اس کا خیال رکھیں کہ جن لوگوں کے لئے وہ لکھ رہے ہیں ان کی سمجھ کا معیار کیا ہے۔

اب تک یہ بحث نظری طور پر طے نہیں پائی کہ ہندوستانی کوئی مستقل زبان ہے یا نہیں۔ جن بزرگوں کی تقریروں کا میں نے اوپر ذکر کیا ان میں سے بعض نے اسی زبان کو جس میں انہوں نے تقریر کی ہندوستانی زبان بتایا۔ اور بعض نے یہ مانتے ہوئے کہ اردو اور ہندی علحدہ زبانیں ہیں لیکن ایسی کوئی زبان اس وقت مروج نہیں ہے جسے ہم ہندوستانی کہیں یہ کہا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر کوئی ایسی زبان بن جائے۔ میرے خیال میں یہ اختلاف بھی محض نظری ہی ہے۔ ہم خواہ اس زبان کو اردو کہیں خواہ ہندی خواہ ہندوستانی مگر ایک ایسی زبان اس ملک میں موجود ہے جو تقریباً ہندوستان میں عام طور پر بولی جاتی ہے۔ اور ملک کے باقی صوبوں میں کم از کم بڑے شہروں میں آسانی سے سمجھی جاتی ہے۔ اس زبان کے بولنے والوں کی آبادی کو دیکھا جائے تو وہ بھی ہمارے ملک کی پوری چالیس کروڑ آبادی کے آدھے سے کم نہ ہوگی۔ ہمارے ملک کی کسی اور زبان کے بولنے والے اور سمجھنے والے اتنے نہیں ہیں۔ اور ملک کے لئے عام زبان کی ضرورت جب مسلم ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ملک کی قومی زبان یہی ہو سکتی ہے اور کوئی نہیں۔

یہ زبان جیسا کہ اس کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں اس ملک میں بسنے والے دو بڑے فرقوں یعنی ہندو اور مسلمانوں کی صدیوں کی متفقہ کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس کے بنانے اور سنوارنے میں دونوں کا برابر کا حصہ ہے۔ اور اس وقت بھی اس کے بولنے والوں میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں بلکہ یہاں تک کہ اگر اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو یقین ہے کہ اردو بولنے والے مسلمانوں کے مقابلے میں اردو بولنے والے ہندوؤں کی تعداد زیادہ نکلے گی۔ یہ معاملہ کچھ بول چال کی حد تک ہی نہیں ہے۔ اس زبان کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر زمانے میں اس کے لکھنے والوں میں مسلمانوں کی طرح ہندو بھی شامل رہے ہیں اور کوئی زمانہ ایسا نہیں ملے گا جس میں ہم چوٹی کے اردو لکھنے والوں یا شاعروں میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے نام بھی نہ پائیں۔ آج کل بھی یہ بات ٹھیک اسی طرح صحیح ہے جیسی اس سے پہلے تھی۔ اور اگر اخبارات کی تعداد اور ان کی اشاعت سے کسی زبان کے متعلق اندازہ لگایا جا سکتا ہے ———

اور کوئی وجہ نہیں کہ اس طرح اندازہ نہ لگایا جائے یا جو اندازہ لگایا جائے اسے صحیح نہ مانا جائے ———

تو ہمیں ماننا ہوگا کہ اس دور کی اردو اخبار نویسی میں ہندوؤں کا حصہ مسلمانوں سے کسی طرح کم نہیں بلکہ شاید کچھ زیادہ ہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اردو ہندی کا افسوسناک اور ایک حد تک غیر ضروری جھگڑا چھڑ جانے کے اور بعض لوگوں کی اس غلط کوشش کے کہ اردو کو صرف مسلمانوں کی اور ہندی کو ہندوؤں کی زبان ثابت کیا جائے۔ ایسے اردو اخبار جن کا انتظام ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے اپنی تعداد اور اپنے معیار دونوں اعتبار سے ترقی پر ہیں۔

اردو ہندی کا جو جھگڑا چند سال پہلے ملک میں چھڑا تھا اور کچھ عرصے تک جو بہت زور و شور پر رہا اب خود بخود ٹھنڈا پڑتا نظر آتا ہے۔ کم از کم اس میں اب وہ تلخی نہیں پائی جاتی جو ایک سال دو سال پہلے تھی۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ کافی تیز اور تلخ بحث کے بعد دونوں فریق اس نتیجے پر پہنچے ہوں کہ لڑائی بڑی حد تک نظری تھی اور غور کرنے سے دونوں نے محسوس کیا ہو کہ ان میں اختلاف کے مقابلے میں اتحاد ہی زیادہ ہے۔ پھر شاید دونوں نے یہ بھی محسوس کیا ہو کہ ایک دوسرے کی مخالفت سے فائدہ کسی کا بھی نہ ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ نقصان دونوں کا ہو۔ کم از کم اس فریق کے نقصان میں تو کسی قسم کا شبہ ہی نہیں جو اپنی زبان سے کسی خاص غیر زبان کے وہ الفاظ جو صدیوں سے اس زبان میں رواج پا چکے ہیں نکالنے کی کوشش کرے۔ کیوں کہ اس پر وہی پرانے شگون کی خاطر اپنی ناک کٹانے کی مثل صادق آتی ہے۔

اس سلسلے میں اردو ہندی کی بحث سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ غیر زبانوں کے الفاظ اپنی زبان سے نکالنے کی کوشش کی یہ پہلی مثال نہیں ہے بلکہ انہیں حال ہی میں تجربہ ہوا ہے اب سے کوئی دس پندرہ برس پہلے مرہٹی زبان کے بعض لکھنے والوں نے یہ کوشش کی کہ اپنی زبان سے فارسی عربی کے ان الفاظ کو جو اس میں داخل ہو چکے ہیں دیس نکالا دیا جائے۔ چنانچہ چھانٹ چھانٹ کر ایسے الفاظ کی جگہ نئے الفاظ جو سنسکرت سے گھڑے گئے تھے رواج دینے کی کوشش کی گئی۔ اس کوشش کی یادگار کے طور پر کچھ ایسے الفاظ موجودہ مرہٹی میں ابھی تک موجود [illegible] ہیں

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

طلبار کی مشکلات

پریس نوٹ

حال میں بعض مقامی اخبارات نے طلبہ کی مشکلات کی طرف حکومت کو متوجہ کرنے کی غرض سے مضامین شائع کئے ہیں لہٰذا اس بارے میں پبلک کی اطلاع کی غرض سے حسب ذیل امور کی تصریح کی جاتی ہے۔

(۱) عثمانیہ میٹرک کے ناکام طلبہ کے متعلق ذریعہ گشتی مدارس پر اطلاع کر دی گئی ہے کہ ان طلبہ کو دسویں جماعت میں شریک کر لیا جائے وہ چاہیں تو اعلیٰ ثانوی کا امتحان دے سکتے ہیں یا جامعہ کے امتحان میٹرک میں کر شریک ہو سکتے ہیں۔ اب دونوں امتحانوں کے نصاب بہت کچھ مشترک ہیں۔

(۲) ایک شکایت یہ بھی کی گئی ہے کہ اضلاع میں دیہی اور شہری نصاب کے فرق کی وجہ سے تعلیم میں خرابی پیدا ہو رہی ہے اس کے واقعات یہ ہیں کہ ڈاکٹر ڈکنزی کا تجاویز کی مرتبہ اسکیم کے مطابق تنظیم تعلیم ثانوی کے تحت ابتداً یہ تصفیہ کیا گیا تھا کہ جامعہ کے پہلے سال کی جماعت فوقانی منزل میں گیارہویں جماعت کی حیثیت سے منتقل کی جائے اور طبقہ فوقانیہ بجائے آٹھویں، نویں اور دسویں جماعتوں کے نویں، دسویں اور گیارہویں جماعتوں پر مشتمل رہے اور آٹھویں جماعت وسطانی منزل میں شریک کی جائے۔ مگر بعد میں یہ تصفیہ کیا گیا کہ ایچ ایس ایل سی اور عثمانیہ کے نظام تعلیم کو ضم کر کے گیارہویں جماعت کا تعلق علی حالہ جامعہ سے برقرار رکھا جائے۔ ایسی صورت میں مجلس تعلیم ثانوی نے جدید حالات پر غور کرنے کے بعد فوقانی منزل کی ۳ سالہ تعلیم کو ناکافی تصور کرتے ہوئے یہ سفارش کی کہ آٹھویں جماعت پھر فوقانی منزل میں شریک کی جائے۔ انتظامی اور نصابی مشکلات کے باعث اس قرارداد کو یکم امرداد [illegible] سے روبہ عمل لانا ممکن نہ تھا اس لئے جماعت ہشتم کو بجز مدارس وسطانیہ سے برخاست کرنے کے بجائے طلبہ کی سہولت کے مدنظر سررشتہ تعلیمات نے منظوری محکمہ سرکار سردست یہ انتظام کیا ہے کہ جن مدارس میں اساتذہ کافی ہوں ان میں آٹھویں جماعت حسب حالی برقرار رہے اور طلبہ کو نویں جماعت کے لئے تیار کرنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ مجملہ (۱۰۰) مدارس وسطانیہ کے اس وقت (۸۰) مدارس کو ایسی اجازت دی گئی ہے۔ باقی (۲۰) مدارس میں آٹھویں جماعت قائم تو رکھی گئی ہے مگر ان میں نویں جماعت کے لئے طلبہ کو تیار نہیں کیا جاتا ہے نصاب میں فرق صرف اس قدر ہے کہ مذکورہ (۲۰) مدارس کی جماعت ہشتم میں انگریزی کا کمتر نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ یہ کمتر نصاب طبقہ وسطانیہ کے ان طلبہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے جو انگریزی کی تعلیم جماعت سوم کے بجائے جماعت پنجم سے شروع کرتے ہیں اور جماعت ہشتم کے بعد اپنی تعلیم کا سلسلہ ترک کر دیتے ہیں یا کسی فنی یا پیشہ ورانہ مدرسے میں شریک ہوتے ہیں لیکن جملہ مدارس وسطانیہ کی جماعت ہفتم کے ختم تک ادنیٰ نصاب انگریزی کے ساتھ اعلیٰ نصاب انگریزی کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے لہٰذا مذکورہ بالا (۲۰) مدارس کے وہ طلبہ جو جماعت ہفتم کا امتحان اعلیٰ نصاب انگریزی کے ساتھ کامیاب ہوں اور اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہیں وہ مدارس فوقانیہ میں منتقل ہو سکتے ہیں یا ان مدارس وسطانیہ میں شریک ہو سکتے ہیں جہاں کا موزوں بہ نسبت اساتذہ جماعت ہشتم کے طلبہ کو جماعت نہم میں داخلہ کے لئے تیار کرنے کی اجازت ہے۔

(۳) اسکیم کا ایک بڑا حصہ درآمد تعلیم کا انتظام ہے چنانچہ سررشتہ تعلیم صنعت و حرفت کی جانب سے متعدد کثیر مدارس قائم کئے جا چکے ہیں اور مزید ترقی اور فنی مدارس کا افتتاح زیر غور ہے اس میں شک نہیں کہ جدید اسکیم کے لحاظ سے جن انتظامات کی ضرورت تھی وہ مکمل طور پر عمل میں نہیں لائے جا سکے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ جدید اسکیم کے نتائج پر پہلے سے غور نہیں کیا گیا بلکہ یہ ہے کہ اس کے نفاذ کے ایک ہی سال بعد جنگ کا آغاز ہوا اور حکومت کو مالی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا جس کا اثر دیگر سررشتہ جات کے ساتھ سررشتہ تعلیمات اور سررشتہ تعلیم صنعت و حرفت دونوں پر پڑنا تھا

(۴) عام کساد بازاری اور گرانی کے مدنظر مختلف اوقات پر صراحت کے ساتھ دفتر نظامت تعلیمات سے احکام دئے جا چکے ہیں کہ طلباء کو بجز مقررہ درسی کتب کے دیگر غیر ضروری کتب خریدنے پر مجبور نہ کیا جائے اور کاپیوں کی تعداد بھی کمی اور محدود کر دی جائے تاکہ اولیائے طلبہ پر بیجا بار نہ پڑے۔ اگر کسی مدرسہ میں کاپیوں اور کتابوں کے متعلق احکام مذکور کے خلاف عمل ہو رہا ہے تو اولیائے طلبہ کو چاہئے کہ وہ سررشتہ کے متعلق توجہ دلائیں تاکہ اس کا سدباب کیا جا سکے۔

(۵) کتابوں کی تبدیلی کے بارے میں حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ جلد جلد تبدیلی کی ضرورت نہ ہو۔ مگر یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ یہ سررشتہ تعلیمات کا مجبوری دور ہے۔ تنظیم تعلیم ثانوی کے نفاذ کا آغاز [illegible] میں ہوا اور اس کا تکمیل اسی سال ہوئی ہے اور وہ بھی صرف ان مدارس فوقانیہ کی حد تک جو اب تک عثمانیہ میٹرک کے لئے طلبہ کو تیار کرتے تھے۔ جدید اسکیم کی منظوری اور نفاذ کے بعد اس میں حالات اور ضروریات کے مدنظر وقتاً فوقتاً رد و بدل اور ترمیمات ہوتی آئی ہیں۔ جدید نصاب کے مطابق متعدد کتابیں خاص طور پر تالیف کروانی پڑیں اور بعض کتابوں کی ترمیم کرانی پڑی جنگ کی وجہ سے کتاب کی طباعت اور ان کے حمل و نقل میں جو مشکلات آج کل پیش آ رہی ہیں ان کے باعث چند کتابیں اس سال آغاز سال پر چھپ نہیں سکیں لیکن اب تقریباً سب مقررہ کتابیں یا زیر طبع ہیں یا تیار ہیں بہرحال جب کبھی قدیم نظام تعلیم کو ترک کر کے جدید نظام تعلیم اختیار کیا جاتا ہے تو مجبوری دور کے عرصہ تک تبدیلیوں سے لاحق ہونے کے باعث عوام میں کچھ نہ کچھ انتشار ہوتا ضروری ہے لیکن اب اس مجبوری دور کے حادثات کا تصفیہ

پبلک کارکنوں کے مشاغل

حیدرآباد میں عنقریب یوم جواہر منایا جانے والا ہے جس میں لیڈروں کی تقریریں ہوں گی۔

چادر گھاٹ ناٹ شنکر بودہ کا ایک جلسہ عام مندر سوبرن گوڑہ میں منعقد ہو رہا ہے۔

گنگاوتی تعلقہ کرناٹک کانفرنس کا پہلا اجلاس ۱۵ امرداد کو مسٹر گر راؤ دیسائی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں کرناٹک کے تقریباً تین ہزار باشندوں نے شرکت کی۔ صدر استقبالیہ کمیٹی نے زمینداری بنک کے فوری قیام کی ضرورت پر زور دیا۔ صدر کانفرنس نے زرعی مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اگر تنگبھدرا پراجکٹ اس موقع پر شروع کر دیا جائے تو قحط سالی کا انسداد ہو جائے گا انہوں نے کہا کہ حکومت کو چاہئے کہ قانون انتقال اراضی کو اس تعلقہ میں بھی نافذ کرے۔

مسٹر زیندہ سکریٹری آریہ پرتی ندھی سبھا سلسلہ دورہ ننگنڈہ گئے ہوئے ہیں۔

پنڈت گوپال راؤ ایڈوکیٹ کی صدارت میں پرجا منڈل کے کارکنوں کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں منڈل کی تنظیم پر غور کیا گیا۔

سوامی راما نند تیرتھ جو گلبرگہ بی ایس اور دھار بجاپور نسبت گفتگو کرنے وارد ہوئے تھے بیدر واپس آ گئے سوامی صاحب نے صدر کانفرنس ورنگل نے تمام ارکان عاملہ اور کارکنوں کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا ہے جس میں یہ خواہش کی گئی ہے کہ وہ کانفرنس کے تعمیری پروگرام پر توجہ کریں اور ہر مہینہ کم از کم تین یا چار مواضعات کا دورہ کریں۔ کاشتکاروں کو اجتماع کرانے کی ترغیب دیں اور ہر ماہ آندھرا کانفرنس کے دفتر ورنگل رپورٹ روانہ کریں۔

مسٹر رام کشن دہوت جو نلگنڈہ کے جلسہ میں شرکت کے لئے وارد ہوئے تھے بمبئی گئے ہوئے ہیں۔

مجلس اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۷ امرداد میں عسکری تنظیم کے سلسلہ میں ایک قرارداد منظور کی جس کی رو سے سید محمد قاسم رضوی صاحب کو نائب افسر اعلیٰ رضاکاران مقرر کیا گیا۔

مسٹر سوہن لال راما منتری جیدرآباد دکن سبھا نے اخبارات کو اطلاع دی ہے کہ عنقریب سبھا کی جانب سے [illegible] کی یوم منائی جائے گی۔

ہو چکا ہے لہٰذا امید ہے کہ آئندہ کوئی شکایت پیدا نہ ہوگی۔

مملکت کا مطالعہ کیجئے

سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ بورڈ کا اجلاس

صدر اعظم بہادر کی افتتاحی تقریر

ہز اکسلنسی نواب سر احمد سعید خان صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی نے سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ بورڈ کے اجلاس میں حسب ذیل تقریر فرمائی۔ جس کی ابتدا میں آپ نے جلالۃ الملک حضرت بندگان اقدس کے پیام عطوفت نشان کو پڑھ کر سنایا۔

سر راما سوامی مدلیار اور حضرات ارکان بورڈ سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ۔

اپنی تقریر کے آغاز میں اس پیام عطوفت نشان کو پڑھ کر سنانے کی میں عزت حاصل کر رہا ہوں جو جلالۃ الملک اعلیٰ حضرت خسرو دکن و برار کی بارگاہ سے وصول ہوا ہے۔

"میں مملکت کے دار الخلافہ میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ آپ کے اہم مباحث کامیاب ہوں خصوصاً سائنسی تحقیقات جنگ کے ان ایام میں جن کی معاونت اور تنظیم میں ریاست تعلق رکھتی ہیں۔"

مجھے اجازت دیجئے کہ میں حکومت سرکار عالی اور رعایائے مملکت کی طرف سے آپ تمام کا انتہائی پرخلوص استقبال کروں میں کہتا ہوں کہ بورڈ کے آغاز سے یہ پہلا اجلاس ہے جو کسی دیسی ریاست میں منعقد ہو رہا ہے۔ یہ امر ہمارے لئے موجب تشکر ہے کہ حیدرآباد کی دعوت قبول کرتے ہوئے آپ نے ہندوستان کی ایک سب سے بڑی ریاست کو نوازا ہے جو تفصیلی اور قریبی ... تنظیم اور تحقیق کے حال میں ہیں جو اہم مقصد بورڈ کے پیش نظر ہے حیدرآباد آپ کو یقین دلاتا ہے کہ اس کو پورا تعاون اور خیر سگالی آپ کے ساتھ ہے۔

جو کام آپ کے آگے ہے وہ ہمارے ملک کے لئے بہت اہم اور قطعی مفید ہے۔ ملک کے معاشی ذرائع سے عصری اور تحقیقی تحقیقات کی مدد سے پوری طرح استفادہ کرنا اور صنعتی اور زرعی ترقی کی اصولی اور ٹھوس اساس پر تنظیم یہ وہ امور ہیں جن سے آپ جنگ کی کامیاب مقاومت میں جو ہماری ایک اہم ضرورت ہے نہ صرف مدد دے رہے ہیں بلکہ آپ ان بیشمار ذرائع کی تشکیل کر رہے ہیں جن سے زمانہ امن میں اس وسیع ملک کے بسنے والے فائدے اٹھائیں گے۔ ہر ہندوستانی اور ہر وہ شخص کہ جو ہندوستان اور دولت عامہ کا بہی خواہ ہے آپ کا اور خصوصاً آپ کے صدر نشین کا شکر گزار ہونا چاہئے جو اس بورڈ کو وجود میں لائے اور اپنی ہمت، دانائی اور بینائی کے مطابق اس کی رہنمائی کی۔ دیوان بہادر سر راما سوامی مدلیار کا کام ہندوستان کی موجودہ اور آئندہ نسلوں میں عزت اور شکر کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ ان اہم خدمات کے لئے جو انہوں نے اس ملک کی انجام دی ہیں، خصوصاً آج تحقیقی نظام کے حصول ... اور عصری مسائل کے ذریعے ایک مضبوط بنیاد پر قائم ہو گیا ہے۔ بورڈ نے اب تک جو نتائج حاصل کئے ہیں اس مختصر مدت میں وہ ... تجارت کو ... آئندہ کی ... کا یقین ہو جاتا ہے ... [illegible]

چاہئے کہ جو کام انہوں نے شروع کیا ہے وہ جاری رہے اور مادر وطن کے لئے ترقی اور خوشحالی کا باعث بنے۔

آپ کو اس امر کا علم ہے کہ حکومت سرکار عالی نے بھی سائنٹفک اور انڈسٹریل ریسرچ کا ایک بورڈ قائم کیا ہے جس کے مقاصد وہی ہیں جو آپ کے بورڈ کے ہیں۔ کئی تحقیقاتی کمیٹیاں اس بورڈ کے تحت ان امور کی تحقیقات میں مصروف ہیں جن کا راست تعلق مقامی سائنٹفک اور ملکی صنعتوں کی ترقی سے ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ دونوں بورڈ کے اس مشترکہ اجلاس سے دونوں بورڈ کے ارکان میں شخصی طور پر تعارف اور ایک قریبی تر ربط پیدا کریں گے اور اس طرح قریبی تعاون کی رہنمائی کریں گے۔

مقامی بورڈ کے لئے اس طرح ایک موقع حاصل ہوگا کہ وہ اپنی مساعی کی جانچ کر سکے تاکہ کوششوں میں کہیں دوہری نہ پیدا ہو۔

مملکت محروسہ سرکار عالی میں آپ تمام کا ایک دفعہ اور استقبال کرتے ہوئے آپ کی محنتوں کی کامیابی کا متمنی ہوں، اور آپ کی مساعی میں حیدرآباد کے پورے تعاون کا میں آپ کو کامل یقین دلاتا ہوں۔

دیوان بہادر سر راما سوامی مدلیار صدر نشین بورڈ نے بورڈ کی طرف سے حکومت سرکار عالی کا شکریہ ادا کیا۔

آنریبل سر اے، راما سوامی مدلیار کی تقریر

حیدرآباد ۲۶ امرداد حکومت ہند اور دولت آصفیہ کی مجالس تحقیقات سائنس و صنعت کے مشترکہ اجلاس میں آنریبل سر اے راما سوامی مدلیار رکن تجارت وائسرائے کونسل نے اجلاس مذکور کی نشست اول کو مخاطب کرتے ہوئے ذیل کی تقریر فرمائی۔

نواب صاحب آف چھتاری اور حضرات! سب سے پہلے مجھے یہ یاد دلانے دیجئے کہ دار السلطنت مملکت آصفیہ میں ہماری آمد پر حضرت اقدس و اعلیٰ خسرو دکن و برار نے بطور خیر مقدم جو پیام عطوفت نشان سے ہمیں نوازا، ہم سب با ادب اس نوازش کے انتہائی شکرگزار ہیں۔ اب جبکہ مجلس اپنی کاروائی کا آغاز کرنے والی ہے میرا پہلا فرض ہے کہ مجلس سے خواہش کروں کہ حضرت بندگان اقدس کی بارگاہ و جلالت پناہ میں اس خیر مقدمی پیام کے لئے قرارداد تشکر پیش کی جائے۔ نواب صاحب چھتاری کے اس بورڈ کی تشکیل اور جو کام اس نے انجام دئے ان کو میری دلچسپی کا باعث قرار دیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عظیم اور مفید کام کرنے کا مجھے جو موقع ملا لیکن اس کے باوجود ... آپ نے مجھے بخشا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نہ میری شرکت کوئی اہمیت رکھتی ہے اور نہ میری خدمت گزاری کوئی قابل ذکر، جس کو آئندہ نسلیں یاد رکھیں گی۔ حقیقت میں یہ سب کچھ اس تعاون، معاملہ فہمی کے مظاہر ہیں۔ یہ نتائج ہیں ملک کے ان سائنس دانوں اور صناعوں کی محنت اور کوشش اور مساعی کے جن کو آئندہ نسلیں عزت و احترام سے یاد کریں گی۔ اس بحث میں وہ مشہور ترین سائنس دان اور صناع شریک ہیں جنہیں ہندوستانی سرزمین نے پیدا کیا۔ ان کی محنت ان کے پرجوش اور پرخلوص تعاون کا نتیجہ ہے۔ حکومت ہند کی طرف سے میں ان حضرات کے ...

طرح ایک کہا وہ ہمارے لئے موجب تشکر بھی ہے اور باعث افتخار بھی۔ یہ وہ جماعت ہے جو سائنس کی تنظیم اور صنعت کی ترقی کے لئے ... سرزمین کی حکومت ... جنگ سے جن پر وہ رہتے ہیں اور جن سے ان کو محبت ہے۔ ان حالات کی موجودگی میں مجلس تحقیقات کے مستقبل پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اس کام میں بڑی دلچسپی لی ہے۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کہ آیا اس موقع پر اس کے اظہار کی اجازت دی جائے گی۔ لیکن ان بہت ساری چیزوں میں سے جنہیں میں نظرانداز کرتا جاؤں گا کوئی کام صرف میری کوشش اور دلچسپی سے نہیں ہوا بلکہ ہر منزل پر مجلس تحقیقات اور اس کے ... احباب کا تعاون شریک رہا۔ یہ میری تمنا ہے اور میں دعا کرتا ہوں جو کام اس خوبی سے شروع ہوا جاری رہے گا اور جو بڑھے گا اور اگر اس کام کو کسی مستقبل اساس پر چلاتے ہیں، میں کامیاب ہو جاؤں، تو خواہ میں کہیں بھی رہوں یہ میری مسرت کا باعث ہے کہ ان عمدہ نتائج کے حصول میں میرا بھی تھوڑا حصہ رہا۔ آج ... یہ ہمارے لئے بڑی مسرت کی بات ہے کہ ہم خود کو آپ تمام کے درمیان پا رہے ہیں۔ ایک عرصہ سے میری یہ تمنا تھی کہ مجلس کے اجلاس مختلف مقامات پر ہوں۔ اور میں مسرور ہوں کہ ہندوستان کی سب سے بڑی ترقی یافتہ ریاست کو ارکان مجلس کے خیر مقدم کا سب سے پہلا موقع ملا۔ سائنس اور صنعتی تحقیقاتی مجلس کے لئے ریاست نے جو دلچسپ روداد تشکیل دی۔ میں اس کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ہم تبادلہ خیال سے بکثرت کار آمد فائدہ پہنچائیں گے۔ اس موقع پر میں ایک اہم مسئلہ پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ میں تشویش میں تھا اور خود حکومت بھی متشوش تھی کہ کہیں سائنسی تحقیق میں دوہری نہ ہو۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ان دو مجالس کے اشتراک عمل سے اس تشویش کے رفع کرنے میں بڑی مدد ملی اور دوہری خواہ مشترکہ تحقیق میں ہو یا روپیہ اور محنت کے صرف میں محض بیکار جاتی ہے۔ ایک ہی مقصد اور ایک ہی چیز پر دونوں بورڈ کی توجہ ... دلچسپی میں مسرور ہوں کہ مقامی بورڈ کے ارکان نے اس اجتماع میں شرکت کی اور میرا فرض ہے کہ جن جن مسائل کو حل کرنے میں انہوں نے سعی کی ہے ان سے مرکزی مجلس کے ارکان کو واقف کرانے اور آپ کو آزادانہ تبادلہ خیال کا موقع دوں اور دیکھوں کہ کس طرح ہم ایک دوسرے کی معاونت کر سکتے ہیں۔ (اور بقیہ پر ہیں)

برطانیہ اور ہندوستان

از

حسین زاہد یسین

استنبول کے یَنی صباح نامی اخبار میں متذکرہ بالا سرخی سے ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کے اہم حصوں کا ترجمہ درج ذیل ہے

برطانوی کابینہ نے ہندوستانیوں کو جو مراعات دینا چاہیں اور سر اسٹیفورڈ کرپس نے جو کوشش کیں ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ آیئے ذرا غور کریں کہ ہندوستان کو فوراً پورا اختیار اور کامل آزادی دینے کے کیا معنے تھے یورپ کی ریاستیں چاہے وہ چھوٹی ہوں یا بڑی فرانس علاقے کے لئے ایک دوسرے کا گلا دبائے لگتی ہیں اور اس طرح جو دشمنی پڑ جاتی ہے اس کا سلسلہ صدیوں تک باقی رہتا ہے۔ جرمنی کہتا ہے کہ اس نے دنیا بھر کو اس لئے جنگ میں گھسیٹ لیا کہ وہ ڈینزگ اور کوریڈور پر قبضہ چاہتا تھا۔ مگر ہندوستان پورے یورپ کے برابر ہے اور برطانیہ اس وسیع اور مالدار ملک کو جس کی یاد الف لیلہ کی شان و شوکت اور دلکشی کے ساتھ ہمارے دلوں میں موجود ہے چھوڑ رہا ہے اس لئے نہیں کہ اس کو کسی جنگ میں شکست ہوئی ہے۔ وہ اسے بغیر کسی لڑائی بغیر خون خرابے یا نفرت کے چھوڑ رہا ہے۔ صرف اس لئے کہ ہندوستانی اس شعور کو پہنچ گئے ہیں کہ قومی آزادی کا مطالبہ کریں اور اصولاً انہوں نے اس کا مطالبہ کیا ہے۔

ادھر اطالیہ البانیہ کا گلا گھونٹ رہا ہے اور جرمنی دنیا کے نقشے سے چیکوسلاواکیہ کو نیست و نابود کر رہا ہے ادھر برطانیہ ہندوستان سے اپنی حکومت اٹھا رہا ہے اور ہندوستان وہ افسانوی ملک ہے جس پر قبضہ کی طمع اور ہوس دنیا کے ہر فاتح کو رہی۔ ہندوستان کی آبادی دیگر تمام برطانوی نوآبادیوں کی آبادی کے مجموعے سے زیادہ ہے۔ .... ۳۸ نفوس کی آبادی کے ساتھ ہندوستان کو قریب قریب ایک براعظم کی حیثیت حاصل ہے۔ برطانیہ خود اپنی مرضی سے اس تمام شان و شوکت اور آمدنیوں اور سامانوں کے اس زبردست ذخیرے سے دستکش ہو رہا ہے ہندوستان کو بغیر خون ریزی کے ترک کر کے وہ ایسی زبردست فتح حاصل کر رہا ہے اب سے پہلے کسی کو کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ بڑے اور بہت خصائل نادر واقعات اور نادر اختیار پر فتح حاصل کر رہا ہے آج وہ جس ہندوستان کو آزاد کر رہا ہے وہ کل اس کا دشمن بن سکتا ہے کیونکہ ہندوستانی برطانیہ والوں سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کی نسل ان کا تمدن ان کی زبان ان کا مذہب ان کے جذبات اور ان کی روایات برطانیہ والوں سے بالکل جدا گانہ ہیں اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ برطانیہ کی حکومت نے ہندوستان کے باشندوں کو برطانیہ والوں کا ممنون کر دیا ہے اس کے باوجود برطانیہ میں جرأت ہے کہ وہ ہندوستان کو آزادی کی شاہراہ پر لگا رہا ہے اور اس کو بالکل خود مختار چھوڑ دینا چاہتا ہے کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہندوستانی برطانیہ کے اس اقدام کی عظمت نہیں محسوس کر سکتے۔

ختم نبوت علامہ اقبال کا ایک مقالہ قیمت ۴ر
ملنے کا پتہ:- احمد سیرت چارمینار حیدرآباد

ہوائی حملوں سے بچاؤ کی تدابیر

حیدرآباد۔ ۲۰ جون حیدرآباد میں ہوائی حملوں سے بچاؤ کی تدابیر میں جہاں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے وہاں عالیہ ملکوں کے تجربات کی روشنی میں احتیاط کے انتظام کو بھی بہتر بنایا جا رہا ہے۔ بحالت موجودہ سائرن کی بہت کمی ہے جو کہیں نہیں مل سکتے۔ پوری کوشش کی جا رہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ سائرن مل جائیں۔ حکومت ہند کو اس کا آرڈر دیا گیا تھا اور چند نوں کے پیچے حکومت ہند نے سائرن بجلی ہی کے جو نصب کئے جا چکے ہیں دوسری مرتبہ دو اور سائرن حکومت ہند نے بھیجے ہیں اس طرح اب تک ۱۳۱ سائرن ہو چکے ہیں جن میں سے (۱۱) کی تنصیب عمل میں آ چکی ہے۔ مزید سائرن کا ملنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ان کا مقامی طور پر بنا لینا بھی ایک مسئلہ ہے جو فکر کے پیش نظر ہے۔ مقامی طور پر سائرن تو بنائے جا سکتے ہیں لیکن سائرن چلانے کی برقی موٹروں کا مسئلہ بالکل اسی طرح باقی رہ جاتا ہے کیونکہ موٹریں نہیں بنائی جا سکتیں۔ یوں ہی کہ موٹریں مل جائیں سائرنوں کی توسیع ہو جائے گی۔

موجودہ سائرنوں سے استفادہ کا جو انتظام کیا گیا ہے اس کا بھی اب تک تجربہ ہو یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ کس طرح ہمارے سائرن کام آ سکتے ہیں چنانچہ متعین کی گئی اور ان کی آواز کے نتائج معلوم کرنے کے لئے خصوصی پرچہ ہائے اطلاع چھاپ کر رکھے گئے تاکہ وہ محلوں میں سائرن سننے والوں سے رائے حاصل کر سکے۔ ان رپورٹوں سے یہ معلوم کیا گیا کہ کیا سائرن کی بہت اچھی آواز آتی ہے یا مدھم آواز آتی ہے یا بالکل سنائی ہی نہیں دیتی۔ آواز سننے کے لئے وارڈن کا عملہ تمام کمرہ وغیرہ کی وضاحت سے دریافت کیا گیا کہ کہاں کس طرح آواز سنی جاتی ہے ان متعلقہ سے اس کا صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ اب تو آئے والے سائرن ہیں کہاں کہاں نصب کیا جائے۔

سائرن اور میکانی وسائل اطلاع مثلاً ٹیلیفون وغیرہ کا متبادل نظام متوسرد (پیام رسال جماعت) ہے۔ حیدرآباد میں جملہ (۳۰۶) پیام رسال ہو گئے اور یہ سب بھرتی کئے جا چکے ہیں۔ ان میں سے کو وارڈن اور فرسٹ ایڈ کا اختیار کے لئے تعلیم دی جا رہی ہے۔ اس کے بعد باقی سرد میں کی تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔ تنظیم اقتدار نقصانات جا بجا کی تمام گردوں امدادی چوکیوں پر یہ سرد کام انجام دیں گے۔ ان مرکزوں کے علاوہ وارڈن پوسٹ پر بھی ایسے سرد رہیں گے جو کہ وسائل رسائل کے منقطع ہونے کے ساتھ ہی یہ سرد میں پوسٹ نظام کو برقرار رکھ سکیں گے۔

(اطلاعی ایڈ پریس)

ایک اور سنگ میل

(بقیہ سلسلہ صفحہ (۳))

مسٹر سری راؤ، بیبا نڈے وکیل ناندیڑ نے کانفرنس کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے اس امر پر طمانیت کا اظہار کیا کہ اس کی بدولت عوام کو مقامی حکام سے قریبی ربط پیدا کرنے کا ذریعہ فراہم ہو گیا ہے اسی طرح کا آغاز اس سالانہ مجلس کا نفرنسوں کے مستقبل کی نسبت فال نیک ہے۔ (صوبجات حیدرآباد)

محاذ مصر

اسکندریہ سے ۰۷ میل

قاہرہ۔ ۲۰ جولائی آٹھویں فوج اور فیلڈ مارشل رومیل کی تمام فوجیں لڑائی میں گتھی ہوئی ہیں جو صحرا اور قطارہ کے نشیب کے درمیان ساحلی میدان پر جو ہوئی ہے میدان جنگ اخری مشرقی نقطہ العلمین ہے جو اسکندریہ کے مغرب میں ۰۷ میل پر واقع ہے۔

محاذ کے ایک مراسلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جنرل اکن لک کی تدبیر جنگ یہ ہے کہ العلمین کے قریب قدرتی دفاعی قوت کو اس کے پہلے جنگ کو روکنے کے لئے استعمال کیا جائے اور جنوب کی جانب قیدار کی بمباری کی بدولت ان فوجوں کی مدد جو قاہرہ و اسکندریہ کی سڑک پر بیٹھی ہوئی ہیں روکا جائے۔

ہمارا ہوائیہ دشمن کے اگلے اور پچھلی مورچوں پر لگاتار حملے کر رہا ہے۔ ہمارے جنگی اور بمبار طیارے سینکڑوں دورے کر رہے ہیں اور مراسلہ نگاروں میں ہوابازوں اور برّی فوج کی قوت برداشت کی تعریف کی گئی ہے۔ ہمارے جنگجو طیاروں کے ہوابازوں میں ہلکے طیارے استعمال کرتے ہیں اور رات میں برطانوی اور امریکی طیارے دشمن پر حملہ کرتے ہیں۔

آفریقہ کے تمام معرکوں میں سب سے بڑی لڑائی۔

قاہرہ ۲۰ جولائی۔ محاذ کے تازہ ترین مراسلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جو لڑائی اب اسکندریہ سے ۷۰ میل پر ہو رہی ہے وہ شمالی افریقہ کے تمام معرکوں میں سب سے زیادہ بڑی اور خطرناک ہے۔

فلسطین پر ہوائی حملہ

حیفہ۔ ۲۰ جولائی فلسطین کے ایک خاص بندرگاہ پر کل صبح دشمن کے طیاروں نے حملہ کیا۔ چند بم گرائے گئے جن سے چند ہلاکتیں ہوئیں اور تھوڑا سا نقصان ہوا۔

لڑائی جاری ہے: نتائج مایوس کن ہیں۔

قاہرہ ۲۰ جولائی۔ آج مشرق وسطی کے اعلامیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ کل ہماری العلمین کے مورچوں کی فوجوں نے دشمن کے دبابوں اور لاریوں کی پیادہ فوج کا مقابلہ کیا اور لڑائی دن بھر جاری رہی۔ لڑائی کے نتائج ہمارے موافق نہیں رہے۔ دشمن دبابوں کے حملے میں عارضی طور پر ایک جگہ میں گھس آیا جس کی ہم مدافعت کر رہے تھے بعد میں دشمن کے دبابوں کو نکال باہر کیا گیا اور ہمارے دستوں نے ان سے لڑائی کی۔ ہمارے دستوں نے مغربی علاقوں میں نقد کے نتیجہ شمال میں دشمن سے ہمارے مورچوں کے ۲۰ میل مغرب میں مقابلہ کیا باوجود ریت کے طوفان کے کل جو لڑائی کو ہمارے بمبار اور جنگجو طیاروں نے العلمین کے قریب میں دشمن پر بڑے پیمانہ پر سدی برانی کے قریب جہازوں کے اترنے کے میدانوں پر گولہ باری کی۔ دشمن کے طیارے برباد کر دئے گئے اور سینٹروں کو نقصان پہنچا۔ ہمارے زبردست بمبار طیاروں نے دشمن کے دستوں پر دھاوے کئے۔ گزشتہ شب دشمن کا سرگرمی نسبتاً کم رہی۔ تاریک ہونے جانے والے ایک طیارے سے مراد ہوا میں ایک اطلاعی کارروائی جہاز پر راست حملہ کیا گیا تھا ان تمام حملوں سے ہمارے صرف دو طیارے نہیں آئے۔

تہذیب کا مستقبل

(بقیہ سلسلہ صفحہ (۵))

جوان کے ہاتھوں ایسے راستہ پر ڈالا جاتا ہے جہاں وہ معاشرہ کی زندگی کی عام بہبودی کے لئے بہتر سے بہتر طریقہ پر کام دیکھے۔ مستقبل کا انقلاب کے پیدا کئے ہوئے تیز حادثات کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے میں انسانی ذہن کو جو ناکامی ہوئی اس کے دو خاص اسباب ہیں۔ تیز عام طور پر جو نازک ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں اسباب کو ایک دوسرے سے ممتاز نہیں کیا گیا ہے۔

پہلا سبب انسانوں کی عام قدامت پسندی ہے انسان ایک سست رو مخلوق ہے۔ کوئی ایسا ہی دھکا پہنچے یا ہولناک ایک مکار کے دو خیال کا گھاؤ لگے تب وہ چونکتا ہے۔ اور اپنے پرانے بندھے ٹکے خیالات کو بدلنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے ورنہ نہیں اسے نئی عادتیں ڈالنے کے لئے بھی وقت لگتا ہے خود تعلیم یافتہ لوگ جن کا روزمرہ کا کام ہی غور و فکر کرتے رہنا ہے اور جن کی ساری پونجی خیالات ہی ہوتے ہیں۔ انہیں بھی نئے حالات کے ساتھ اپنے ذہنوں کو مطابق کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ بھی کوشش ان واقعات کو جو ان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہے ہیں صاف طور پر دیکھنے اور ان کے بے مشتمل انقلاب کی اصطلاح وضع کرنے میں مصروف لگے! ایسی اگر ایک معمولی انسان کو نئے واقعات کو سمجھنے اور دنیا کے بدلنا اور خود اپنے نے خصوصاً۔ ان کی اصلی اہمیت محسوس کرنے میں اس سے بھی زیادہ وقت لگتا ہو۔ تو تعجب کی کیا بات ہے۔

علاوہ بریں اگر سائنس کی پیدا کی ہوئی رفتار حوادث اور انسانی ذہنوں کی رفتار کے درمیان نسبتی زمانی تعطل ہو گیا ہے تو کوئی تعجب کی بات ہے! ازمنہ قدیم میں جبکہ خارجی اور خیالی عمل باعتبار رفتار کے ایک ہی طرح ہوتی اور ہر حرکت تھی جینے کر اوسط انسان کے ذہن میں بے اس قسم کا تعطل اس وقت نہ پایا جاتا تھا۔ حرکت ان دونوں میں برابر جاری تھی۔ لیکن یہ اس قسم کی حرکت تھی جو کہیں ایک صدی یا کم از کم ایک قرن بعد محسوس ہوتی ہے۔ وہ ایک برفانی پہاڑ کی حرکت ہوتی تھی سیلاب کی نہیں۔ آج سائنس نے خارجی دنیا میں سیلاب کی سی حرکت پیدا کر دی ہے۔ لیکن اکثر انسان اپنے خیالات میں اب بھی برفانی پہاڑ کی رفتار ہی قائم رکھے بیٹھے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمیں ہر طرف عدم مطابقت اور ابتری نظر آتی ہے۔ پرانے خیالات پرانے نظام عمل اور پرانے چلتے ہوئے جملے بلکہ افسوس کہ پرانے نعرے بھی آج ایسے حالات میں استعمال کئے جاتے ہیں جن کے لئے اب وہ موزوں نہیں رہے ہیں۔ اس دور انحطاط میں بھی مال غنیمت کے لالچ میں ملک فتح کئے جاتے ہیں یا انحصار انہی کے اس زمانہ میں بھی محض طاقتوں کے دروازے دنیا کی تجارت کے لئے بند کئے جاتے ہیں!

یہی وجہ ہے کہ لیگ آف نیشنز کو ایک ایسی دنیا میں قائم کیا گیا جو اس کے لئے بالکل تیار نہ تھی۔ صدیوں تک سوچتے جانے اور مناقشے ہو جانے کے تب کہیں جمہوریت نے واقعہ کی صورت اختیار کی۔ کوئی ایک صدی کے بحث مباحثہ کے بعد انقلاب فرانس کے راستہ تیار ہوا۔ لیکن کوئی بیس سال کے اندر دنیا اور فریقہ کو تو ذرا جانے دیجئے کیا خود یورپ میں بھی اس قرن سے پیشتر عام طور پر کوئی مجلس اقوام کے متعلق کسی قسم کی گفتگو و بحث کی گئی تھی۔

اس وقت کو دور ختم کرنے کی کیا صورت ہے؟ کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ انسانوں کے ذہن رفتار واقعات کا ساتھ دے سکیں۔ اس کی دو تدبیریں ہیں۔ تعلیم اور تجربہ۔ تمام والدین کی آرزو اپنی اولاد کے لئے یہ ہوتی ہے کہ وہ بچے تعلیم پائیں اور بچے تجربہ حاصل کریں۔ لیکن بدقسمتی سے ہم کو یہ موقع نہیں ملا ہمیں اپنی بھی سست رفتاری کے تاوان کے طور پر تجربہ کی تلخیاں سہنی پڑیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج مجلس اقوام ہمارے لئے اکسیر اعظم کی بجائے ایک دشوار مسئلہ ہو کر رہ گئی ہے۔ اب یہی صورت رہ گئی ہے کہ ہم اس مسئلہ پر بیاد دماغ صرف کریں۔ ایک پورا قرن خیالی منصوبوں میں ضائع کر دینے کے بعد اب کہیں ہم سیاسی تعلیم کی دہلیز تک پہنچے ہیں۔

اب ہم انسانی افکار اور موجودہ دنیا کے خارجی حالات میں جو تضاد ہے اس کی دوسری وجہ سے بحث کرتے ہیں۔ یہ وجہ خود فطرت انسانی میں یعنی ان موروثی خواص میں مضمر ہے جو ہماری ساخت کا جزو اعظم ہیں۔ (باقی آئندہ)

ہندوستان کی قومی زبان

(بقیہ سلسلہ صفحہ (۱۰))

لیکن اس لحاظ سے اس کوشش کو ناکام ہی کہنا ہوگا کہ عربی اور فارسی الفاظ کی وہ بڑی تعداد جو صدیوں سے اس زبان کا جز بن چکی ہے اپنی جگہ پر بدستور باقی ہے۔ اس کوشش سے ان کے پیچھے جو کچھ پڑا وہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ چند بہت اچھے الفاظ جو ان کے اس رواج پا چکے تھے انہیں اپنی زبان سے خارج کر کے انہوں نے اس حد تک اپنی زبان کو تہی مایہ بنا دیا۔

زبان کے سوال کے ساتھ اس کے لکھنے کے طریقہ کا رسم خط کا بہت گہرا تعلق ہے اس وقت عام طور پر اردو کے لئے فارسی رسم خط اور ہندی کے لئے دیوناگری کا رواج ہے۔ اسی سلسلہ میں ہندوستانی والوں کا یہ دعویٰ ہے۔ ہندوستانی سے مراد ایسی آسان زبان ہے جو ان دونوں رسم خط میں آسانی کے ساتھ لکھی جا سکے بعض لوگ ان دونوں رسم خط کو ترک کر کے ان کی جگہ لیٹن اور لاطینی حروف اختیار کرنے کے حامی ہیں۔ مگر ان کی تعداد بھی بہت ہی کم ہے اور نہیں ہے اگرچہ یہ مشورہ محض اس لئے دیتے ہیں کہ دونوں فریق میں سمجھوتے کے لئے کوئی درمیانی یا تیسری راہ نکالی جائے مگر اس صورت کے مقبول ہونے کی امید بہت ہی کم ہے۔ اس معاملے میں بھی اردو اور ہندی دونوں کے حامی تھوڑی سی رواداری سے کام لیں تو کچھ نہیں کہ یہ سوال آسانی سے حل ہو جائے گا بلکہ نتیجے کے طور پر دونوں زبانیں اپنی اپنی جگہ بہت فائدہ اٹھائیں گی اور ان کی آخری کوشش سے وہ درمیانی زبان ترقی کر گئی جسے ہم صحیح معنوں میں ہندوستانی کہہ سکیں گے۔ اس سلسلہ میں کرنا یہ چاہئے کہ ان صوبوں میں جہاں اس زبان کا رواج ہے وہاں طالب علموں کو فارسی رسم خط اور دیوناگری ۲

ہو۔ دونوں لازمی طور پر سکھلائے جائیں محض تعصب کی بنا پر کوئی فریق اس کی مخالفت کرے تو اور بات ہے ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ یہ دونوں رسم خط اتنے آسان ہیں کہ صرف چند ہفتوں کی محنت سے بچے انہیں آسانی سے سیکھ سکتے ہیں اور دونوں رسم خط سیکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف ایسے طلبہ جن کا تعلق قدرتی طور پر اردو سے یا اس کی وجہ سے عربی فارسی کے ادب سے زیادہ ہے وہ ہندی ادب سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اور دوسری طرف ایسے طلبہ جن کا تعلق قدرتی طور پر ہندی یا اس کی وجہ سے سنسکرت سے زیادہ ہے وہ اردو ادب سے فائدہ اٹھائیں گے اور اس طرح پر دونوں کی ایک دوسرے سے واقفیت بڑھے گی تو لازمی طور پر ایک ایسی درمیانی چیز پیدا ہوگی جس میں دونوں کی خوبیاں خود بخود پائی جائیں گی۔

[illegible]